فنِ مضمون نویسی

انعام یافتہ مضامین کے ساتھ

ظفر اقبال محسن

فنِ مضمون نویسی

انعام یافتہ مضامین کے ساتھ

ظفر اقبال محسن

المدینہ پبلی کیشنز ۴۔ یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ ۳۸، اردو بازار لاہور

ضابطہ

کتاب : فن مضمون نویسی
مصنف : ظفر اقبال محسن
کمپوزنگ : رانا عامر جاوید
تعداد : 1000
صفحات : 204
اشاعت اول : فروری 1996ء
قیمت : [illegible]/- روپے
ناشر : المدینہ پبلی کیشنز
4 - یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
38 - اردو بازار لاہور (فون : 7320682)

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۙ وَیَسِّرْ لِیْٓ
اَمْرِیْ ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ ۙ
یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ ۪

ترجمہ : اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے
کام آسان بنا دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ
میری بات کو سمجھ سکیں۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۸ - ۲۵)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ ۝
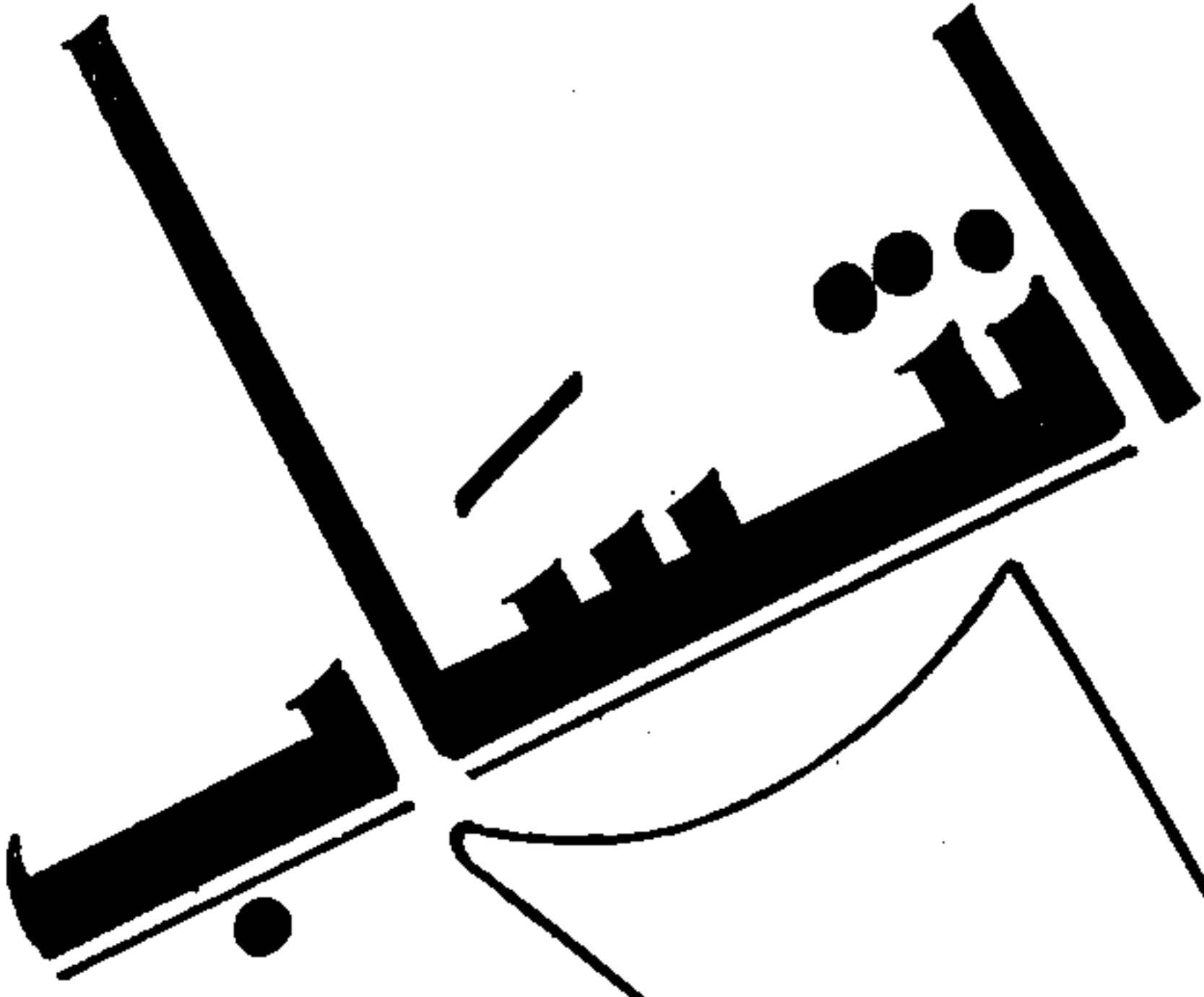
انتساب
اپنے والدین کے نام
جن کی بدولت
"فن مضمون نویسی"
آپ کے ہاتھوں میں ہے

آئینہ ترتیب (حصہ اول)

صفحہ نمبر

آئینہ ترتیب (حصہ دوم)

انعام یافتہ مضامین

تخلیق، تحقیق اور جستجو کا سفر

دو اور دو چار کہہ لینا آسان ہوتا ہے لیکن کسی موضوع کو اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ اس طرح حیطہ تحریر میں لانا کہ نثرپارے کا ہر جملہ تخلیقی عمل کی تمام تر رعنائیوں کا مظہر بھی ہو۔ مضمون کے مرکزی خیال پہ مضمون نگار کی گرفت کہیں بھی ڈھیلی نہ پڑنے پائے اور قاری شگفتگی اور شائستگی کے ساتھ مضمون نگار کے اسلوب سے بھی لطف اندوز ہوتا چلا جائے یقیناً ایک مشکل کام ہے اور نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا اس کے مصداق جان جوکھوں کا کام ہے' اردو زبان و ادب کے ارتقاء کے ساتھ جب شہر سخن میں عروس غزل کی جلوہ نمائی ہوئی اس کے ساتھ قصر نثر میں بھی اظہار و ابلاغ کے ان گنت دروازے وا ہوئے اور مضمون لکھنا ایک فن قرار پایا۔ انشاء پردازی کا رواج ہوا۔ سبجھ و؟ زبان تخلیق ہوئی' نثر میں بھی قافیہ پیمائی در آئی اور نثر پر نظم کا گمان ہونے لگا اور نثر لطیف کی بنیاد پڑی۔ طلسم ہوشربا کی غیر حقیقی فضا میں داستان گوئی کا آغاز ہوا۔ آگے چل کر یہی داستان گوئی انیس کی مرثیہ گوئی کا بھا اساسی رویہ ٹھہری' غالب کا کمال یہ ہے کہ اس نے نثر کو بھی غیر حقیقی دنیا سے نکالا۔ مکاتیب غالب میں ہمیں اردو انشائیے سے لے کر مختصر کہانی تک کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں اور انشاپردازی' مکالمہ نگاری اور مقالہ نگاری کے رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے تہذیب الاخلاق کے مضامین کی بنیاد بھی غالب کے اسی فکری اجتہاد پر رکھی گئی' حالی' شبلی اور مولوی نذیر احمد نے سرسید کے سادہ مگر دل میں اتر جانے والے اسلوب کو اپنا کر اس روایت علمی کو آگے بڑھایا اور بات نرنگ خیال' کے مضامین اور "آب حیات" کے طرز تحریر تک پہنچی اور رشید احمد صدیقی' فرحت اللہ بیگ اور پطرس بخاری کے مضامین کا تذکرہ چلا مضمون نویسی ایک تخلیقی عمل ہے' جملے بھی

مصرعوں کی طرح اتریں تو بات بنتی ہے۔ مضمون نگار بھی اپنا خام مواد اپنے معاشرے اور اپنی ثقافتی روایات سے حاصل کرتا ہے۔ جب مضمون نویسی کا فن بیسویں صدی کی آخری دہائی تک پہنچتا ہے تو اس میں موضوعات کے حوالے سے ایک تازگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے اور یہ صحافت مضمون نویسی کی فن کو نیا آہنگ عطا کرتی ہے اور کالم نگاری جو مضمون نویسی کی یہی ایک شکل ہے کو عوامی سطح پر زبردست پذیرائی حاصل ہوتی ہے' زبان و بیان کی ندرت دامن دل کو کھینچتی ہے' ہر عہد کا اپنا کہنا جدا ڈکشن ہوتا ہے۔ اپنے مسئل ہوتے ہیں' سوچ کا انداز بدلتا رہتا ہے' اگرچہ آج کا مضمون نگار سرسید تحریک کو ہی آگے بڑھاتا نظر آتا ہے لیکن آج کا مضمون نگار اپنے اسلوب اور اپنے ڈکشن کے حوالے سے قدما کے اسلوب اور ڈکشن سے بہت مختلف دکھائی دیتا ہے اور جامد رویوں کے ٹھہرے ہوئے پانیوں میں تموج کے آثار پیدا کرتا نظر آتا ہے ہمارے جواں سال مضمون نگار ظفر اقبال محسن کی کتاب "فن مضمون نویسی" میں زبان و ادب کے ارتقاء کے ساتھ مضمون نویسی کے فن میں شعوری اور لاشعوری سطح پر ہونے والی کوششوں کا سراغ ملتا ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے فاضل مصنف نے کتاب کے پہلے حصہ میں اردو مضمون نگاری کی تاریخ بیان کی ہے یہ حصہ فکری اور نظری مباحث کے بھاور کھوتا ہے مضمون کیا ہے؟ ظفر اقبال محسن نے ایک ماہر محقق کی طرح اردو کے نامور مضمون نگاروں کی خدمات جلیلہ سے بھی بحث کی ہے۔ انہوں نے اپنے قاری کو بتایا ہے کہ انشائیے مقالے اور مضمون میں کیا فرق ہے' مضمون کی اقسام کیا ہیں اور صدیوں کا سفر طے کرنے کے بعد موضوعات کے تنوع کی کیا مشکل ہمارے سامنے آتی ہے۔ مضمون کی ساخت' مضمون نگاری کے رہنما اصولوں ور دیگر فنی مباحث پر فاضل مصنف نے نہایت احتیاط اور سنجیدگی سے قلم اٹھایا ہے' کتاب کے دوسرے حصہ میں فاضل مصنف نے اپنے پندرہ انعام یافتہ مضامین شامل کئے ہیں جو انہوں نے مختلف تحریری مقابلوں کے لئے لکھے' ان مضامین میں سادگی ہے' اسلات ہے' روانی ہے ظفر اقبال محسن کا اپنا ایک اسلوب ہے۔ ان کا طرز تحریر دلکش بھی ہے اور دلنشین بھی ہے۔ اظہار و ابلاغ پر انہیں مکمل دسترس حاصل ہے۔ اردو زبان کی باریکیوں پر بھی ان کی نظر ہے' موضوع کوئی بھی ہو ظفر اقبال محسن فن کے جمالیاتی پہلو کو مجروح نہیں ہونے دیتے' ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جب یہ اپنا موقف بیان کرتے ہیں تو جو جزیات کا سہارا کم ہی لیتے ہیں بلکہ حقائق و دلائل کی زبان میں بات کر کے اپنے موقف کو مزید باوزن اور باثرات

بناتے ہیں' ظفر اقبال محسن کے انعام یافتہ مضامین کی فہرست پر ایک نظرڈالنے سے احساس ہوتا ہے کہ مضمون نگار کے ہاں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ تخلیق ' تخلیق کار کی شخصیت کے جمالیاتی اظہار کا نام ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ تخلیق کار کا نظریہ زندگی اس کے فن کی بنیاد نہ ٹھہرے' ایک سچا فن کار ہمیشہ کومٹیڈ ہوتا ہے' کومٹ منٹ کے نور کے بغیر فن محض الفاظ کا گورکھ دھندا ہے ظفر اقبال محسن بھی ایک واضح اور روشن نظریہ زندگی رکھتے ہیں یہ وہی نظریہ زندگی ہے جو فاران کی چوٹیوں پر چمکنے والے آفتاب شرو ہدایت کو اپنی سوچوں کا مرکز و محور بناتا ہے۔ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت محسن انسانیت" ایک خوبصورت مضمون ہے۔ یہ موضوع جذباتی ہو سکتا تھا لیکن فاضل مضمون نگار نے اپنے موقف کی بنیاد و جذبات پر نہیں دلائل پر رکھا ہے۔ اسی طرح "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبرا انقلاب" میں بھی فاضل مضمون نگار نے اپنے موقف کی تائید میں تاریخ سے گواہی طلب کی ہے اپنے ایک اور مضمون تعلیمی "پسماندگی کے اسباب اور ان کا تدارک" میں ظفر اقبال محسن نے طلباء کے کردار کا ایک غیر جانبدار محقق کی طرح تجزیہ کیا ہے۔ "کیا عورت واقعی آدمی ہے" ایک اور دلچسپ مضمون ہے۔ قدم قدم پر تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے "پاکستان ایک ملک ایک قوم" میں فاضل مضمون نگار نے اپنے ثقافتی اور فکری اثاثوں کھنگالنے کی کوشش کی ہے' مضمون کی ایک ایک سطر ایک ایک جملہ اور ایک ایک لفظ وطن کی مٹی کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ یہی وہ غیر مشروط اللہ غیر متزلزل کومٹ منٹ ہے جو یہ سچے پاکستانی قلمکار کی پہچان اور شناخت ہے " اے طائر لاہوتی" ظفر اقبال محسن کا ایک اور شاندار مضمون ہے' ظفر اقبال محسن کا ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں ان کا قاری شکوک و شبہات کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے نہیں پاتا بلکہ تخلیق کے اس سفر میں قدم قدم پر جشن چراغاں کا گمان ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ گمان یقین میں تبدیل ہونے لگتا ہے کتاب میں ایک اور مضمون میں اس کرب اور دکھ کا اظہار ملتا ہے جس دکھ اور کرب میں آج کی مسلم دنیا مبتلا ہے۔ آج کا مسلمان بے توقیری کے جس جہنم میں جل رہا ہے اس سے نکلنے کا اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا' آج مسلم امہ اغیار کی سازشوں کا ہدف بنی ہوئی اپنے' بدقسمتی سے مسلم اور ہر مسلط حکمران اپنی خاندانی بادشاہوں کو بچانے کے لئے اپنی نسلوں کا مستقبل تک دشمنانان اسلام کے ہاتھوں گروی رکھ رہے ہیں فاضل مضمون نگار نے امریکہ کے دوہرے کردار کو بے نقاب کیا ہے "اسلامی

نظریاتی مملکت اور قائداعظم کا خواب" میں ظفر اقبال محسن نیاہل وطن کو آئینہ دکھانے کی
کوشش کی ہے' پاکستان ہمارے آبا کا سب سے قیمتی ورثہ ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے
اس کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ اس کی جغرافیائی سرحدوں سے بھی پہلے ہونا چاہئے تھا لیکن ہم
نے نظریاتی سرحدوں کو کھلا چھوڑ دیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی پاکستان میں ہندو اساتذہ نے ذہن
جدید میں جو زہر بھرا اس کا انجام مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہمارے وہ
بزرگ جنھوں نے پاکستان بنانے کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا اور قائداعظم کی ولولہ انگیز
قیادت میں تاریخ کا رخ موڑا تھا رفتہ رفتہ جنگ اقتدار کا حصہ بنتے گئے سیاسی لوٹ کھسوٹ کا
بازار گرم ہوا اور تحریک پاکستان کے حقیقی مقاصد ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے گئے آج نئی
نسل کو بتانا پڑتا ہے کہ پاکستان کا قیام کیوں ناگزیر ہو گیا تھا۔ اپنا ثقافتی قدروں سے انحراف کا نتیجہ
ہے کہ ہم آج قصر اقتدار کا غلام گردشوں کے اندھیروں کو اپنے فن کے اندر بھی سچائی کا
ارتکاب کرنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اجالے میں بھی تیرگی کا گمان ہوتا ہے' ظفر اقبال
محسن نے اسی احساس کی تخلیقی سطح پر زندہ کیا ہے جو ایک کارنامے سے کم نہیں! ایک
اور مضمون "وطن عزیز کا حلیہ بگاڑنے اور شیرازہ بکھیرنے کا سبب نام نہاد لیڈر ہیں" میں ظفر
اقبال محسن نے سیاسی ابتری کا غیر جانبدارانہ تمیزیہ کیا ہے' سچ تو یہ ہے کہ پاکستان میں جمہوریت
نہیں سیاستدان ناکام ہوئے ہیں۔ 1971ء میں بظاہر فوجی شکست دراصل میں سر شکست تھی
اس میں سر شکست نے فوجکے مقدر میں بھار سوائیاں لکھ دی تھیں سیاستدانوں نے جسکرپٹ
پولٹیکل کلچر کو جنم دیا ہے آج پوری قوم اسکرپٹ پولٹیکل کلچر کے جہنم میں جل رہی ہے شہر
سیاست میں بازار حسنکا سارا گند بہہ رہا ہے' جموریت کے نام پر آمریت مسلط کردی گئی ہے
سیاست کو سرمائے اور غنڈہ گردی کا کھیل بنا دیا گیا ہے' متوسط طبقے کا کوئی فرد اس استحقالی نظام
انتخاب میں حصہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور جب تک متوسط طبقے سے اہل اور صالح
قیادت ابھر کر عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں لے گی اس وقت تک زندگی کا کوئی شعبہ بھی
انقلاب آفرین تبدیلیوں سے آشنا نہیں ہو سکتا' محاذ آرائی کی سیاست نے ملکی معیشت کو
کھوکھلا کر دیا ہے' ہماری مدقوق اور مفلوج معیشت قرضوں کی بیساکھیوں پر چل رہا ہے' بیرو
کریسی اربوں روپے ہضم کر جاتی ہے' ہر شعبہ بد عنوانی اور کرپشن کی لپیٹ میں ہے "منشیات'
مسائل اور ان کا حل" "وطن کی فکر کر نادان) میں بھی وطن کی مٹی سے کا یہی احساس زندہ و

نظریاتی مملکت اور قائداعظم کا خواب" میں ظفراقبال محسن نے اہل وطن کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے 'پاکستان ہمارے آبا کا سب سے قیمتی ورثہ ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ اس کی جغرافیائی سرحدوں سے بھی پہلے ہونا چاہئے تھا لیکن ہم نے نظریاتی سرحدوں کو کھلا چھوڑ دیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی پاکستان میں ہندو اساتذہ نے ذہن جدید میں جو زہر بھرا اس کا انجام مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہمارے وہ بزرگ جنہوں نے پاکستان بنانے کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا اور قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں تاریخ کا رخ موڑا تھا رفتہ رفتہ جنگ اقتدار کا حصہ بنتے گئے سیاسی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا اور تحریک پاکستان کے حقیقی مقاصد ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے گئے آج نئی نسل کو بتانا پڑتا ہے کہ پاکستان کا قیام کیوں ناگزیر ہو گیا تھا۔ اپنا ثقافتی قدروں سے انحراف کا نتیجہ ہے کہ ہم آج قصر اقتدار کا غلام گردشوں کے اندھیروں کو اپنے فن کے اندر بھی سجانے کا ارتکاب کرنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اجالے میں بھی تیرگی کا گمان ہوتا ہے' ظفراقبال محسن نے اسی احساس کی تخلیقی سطح پر زندہ کیا ہے جو ایک کارنامے سے کم نہیں! ایک اور مضمون "وطن عزیز کا حلیہ بگاڑنے اور شیرازہ بکھیرنے کا سبب نام نہاد لیڈر ہیں" میں ظفر اقبال محسن نے سیاسی ابتری کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا ہے' سچ تو یہ ہے کہ پاکستان میں جمہوریت نہیں سیاستدان ناکام ہوئے ہیں۔ 1971ء میں بظاہر فوجی شکست دراصل میں سرشکست تھی اس میں سرشکست نے فوجکے مقدر میں بھارسوائیاں لکھ دی تھیں سیاستدانوں نے جسکرپٹ پولٹیکل کلچر کو جنم دیا ہے آج پوری قوم اسکرپٹ پولٹیکل کلچر کے جہنم میں جل رہی ہے شہر سیاست میں بازار حسنکا سارا گند بہہ رہا ہے' جمہوریت کے نام پر آمریت مسلط کر دی گئی ہے سیاست کو سرمائے اور غنڈہ گردی کا کھیل بنادیا گیا ہے' متوسط طبقے کا کوئی فرد اس انتخابی نظام انتخاب میں حصہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور جب تک متوسط طبقے سے اہل اور صالح قیادت ابھر کر عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں لے گی اس وقت تک زندگی کا کوئی شعبہ بھی انقلاب آفرین تبدیلیوں سے آشنا نہیں ہو سکتا' محاذ آرائی کیسیاست نے ملکی معیشت کو کھوکھلا کر دیا ہے' ہماری مدقوق اور مفلوج معیشت قرضوں کی بیسا کھیوں پر چل رہا ہے' بیرو کریسی اربوں روپے ہضم کر جاتی ہے' ہر شعبہ بدعنوانی اور کرپشن کی لپیٹ میں ہے "منشیات' مسائل اور ان کا حل" "وطن کی فکر کر ناداں) میں بھی وطن کی مٹی سے کا یہی احساس زندہ و

پائندہ ہے۔

ظفراقبال محسن تخلیق' تحقیق اور جستجو کے سفر پر روانہ ہوئے ہیں اگر خلوص اور لگن کے ساتھ وہ آگے بڑھتے رہے اور مقصدیت کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹا تو فاضل مضمون نگار اپنے لئے توروشنی تخلیق کریں گے ہی اس روشنی سے سارا منظرنامہ بھی جگمگا اٹھے گا۔
میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تخلیقی لمحات کو گرفت میں لینے کا ہنر عطا فرمائے اور وافر حقدار میں عطا فرمائے' آمین

ریاض حسین چودھری

چیف ایڈیٹر

پندرہ روزہ "تحریک" لاہور

عرض مصنف

یہ اب سے تقریباً" پانچ چھ برس پہلے کا واقعہ ہے میں نے ایک کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی کا اعلان پڑھ کر مضمون لکھا اور روانہ کر دیا۔ اس وقت تک ادب سے تھوڑا بہت شغف اور لکھنے لکھانے کا شوق تو تھا لیکن مضمون نویسی کے فن سے باقاعدہ واقفیت نہ تھی۔ بہرحال دو تین ماہ بعد جب کہ میں اس بات کو بھول بھی چکا تھا میرے ایک ہم جماعت نے پہلی پوزیشن کی مبارکباد دیتے ہوئے مقابلے کا رزلٹ دکھایا تو میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس اچانک اور حیران کن کامیابی کے بعد طبیعت' مضمون نویسی کی طرف راغب ہوئی اور میں نے باقاعدہ اسے سیکھنے اور اس کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس بات پر حیرت' لیکن قدرے شدت کے ساتھ دکھ کا احساس ہوا کہ اس اہم فن اور اردو ادب کی اس اہم ترین صنف پر آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس افسوس ناک صورتحال کی کچھ وجوہات ہیں جنہیں اس کتاب کے آئندہ صفحات میں بیان کرنے' کے ساتھ ساتھ مقدور بھر حل کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

خیر اساتذہ کرام کی راہنمائی حاصل کرتے کرتے اور مختلف مقابلہ جات میں حصہ لیتے لیتے اس فن کی شد بدھ کا علم ہو گیا۔ اور اب جبکہ یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے' اس وقت تک میں آٹھ مختلف کل پاکستان مقابلہ جات برائے مضمون نویسی میں اول انعامات حاصل کر چکا ہوں۔ جبکہ صوبائی' ضلعی اور کالج کی سطح کے مقابلہ جات کی اول' دوم اور سوم پوزیشنوں کی تعداد خود میرے علم میں نہیں ہے۔ ان انعام یافتہ مضامین میں سے جو دستیاب ہو سکے ہیں انہیں اس کتاب کے حصہ دوم کی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

البتہ ان تمام کامیابیوں کے باوجود کسی مستند اور عمدہ کتاب کی ضرورت اور کمی کا احساس دل میں کروٹیں لیتا رہا کہ ایک روز خیال آیا کیوں نہ اس عمارت کی پہلی اینٹ ہم ہی رکھ ڈالیں اور پھر تائید ایزدی نے ایک دن اس کام کے لئے کمر کسنے اور آج اسے اپنے فضل و کرم سے مکمل کرنے کی ہمت بھی خود ہی عطا فرما دی ہے۔ جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس موضوع پر کوئی کتاب بھی دستیاب نہ تھی اس

لئے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس موضوع پر قلم اٹھانا کس قدر مشکل کام تھا لیکن وہ خدائے لم یزل جو ارادہ عطا کرتا ہے' ارادے کو پورا کرنے کی ہمت بھی اسی کی عطا ہے۔ البتہ اس کتاب کو بارش کا پہلا قطرہ اور اس اہم صنف اور فن کے رموز کو جاننے کا ابتدائیہ ہی خیال کیا جانا چاہئے۔

کتاب کی تکمیل و تالیف کے سلسلہ میں پروفیسر عبدالعزیز پرواز صاحب اور پروفیسر محمد طیب اللہ صاحب کی شفقتوں اور عنایتوں کا شکریہ ادا نہ کرنا بخل کے زمرے میں آئے گا۔ جنہوں نے نہ صرف سب سے پہلے مضامین کے سلسلہ میں رہنمائی اور پھر کتاب کے سلسلہ میں وقتاً" فوقتاً" مدد فرمائی بلکہ کمال مہربانی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے فن مضمون نویسی پر اپنی قابل قدر تحریریں بھی عنایت فرمائیں۔ ان دونوں احباب کی تحریریں اس لئے شامل کتاب کی جا رہی ہیں کہ مضمون نویسی کے سلسلہ میں میری طالب علمانہ رائے کے مقابلہ میں اردو کے تجربہ کار اساتذہ کی پختہ اور ماہرانہ رائے بھی آپ تک پہنچ سکے' علاوہ ازیں اساتذہ کرام جو اکثر اوقات مضامین چیک کرتے رہتے ہیں وہ آپ کو بتا سکیں کہ مارکنگ کرتے وقت وہ مضمون کی کن خوبیوں کو پیش نظر رکھتے اور اہمیت دیتے ہیں۔ دونوں محترم اساتذہ کرام کی شخصیتیں اور مقام و مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ اس تذکرے کے لئے ایک علیحدہ تصنیف کی ضرورت ہے البتہ یہاں پر ان کی راہنمائی اور خلوص کا شکریہ ادا کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

میں اپنے عزیز دوست جناب سعید عالم ملک صاحب کے تعاون کا بھی بالخصوص ممنون ہوں۔ کتاب کو موجودہ شکل میں پیش کرنے میں انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب کو آپ تک پہنچانے کے سلسلہ میں پبلشر جناب ابرار حنیف مغل صاحب کی محبتوں اور محنتوں کا شکریہ بھی واجب الادا ہے۔ میں جناب امجد اسلام امجد' جناب ڈاکٹر مظفر عباس اور جناب توفیق بٹ کا بھی بے حد سپاس گزار ہوں۔ ان بزرگوں کی قدر افزائی میرے لئے ہمیشہ حوصلے اور محرک کا باعث بنے گی۔ اس کتاب میں آپ کو جو خوبیاں نظر آئیں وہ میرے والدین' اساتذہ کرام اور احباب کے فیض نظر کا کمال ہیں البتہ اس کی تمام تر خامیاں میری کوتاہ علمی اور کوتاہ قلمی کا نتیجہ ہیں۔ اس سلسلہ میں قارئین کرام کی نشاندھی اور راہنمائی شکرئے کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

میرے الفاظ اگر کسی ایک شخص کے بھی کام آ گئے تو میں اسے اپنی کامیابی سمجھوں گا۔
آپ کی تنقید اور آراء کا انتظار رہے گا۔

۲ جنوری ۱۹۹۶ء

ظفر اقبال محسن
پی او بکس ۷۹۷۔ جی پی او لاہور

مضمون نگاری ---- خون جگر کی نمود

(از قلم پروفیسر محمد طیب اللہ خان)

اس بات پر تو سبھی ماہرین اردو ادب و انتقاد کا اتفاق ہے کہ مضمون کا لفظ انگریزی زبان کے لفظ ESSAY کا مترادف ہے اور انگریزی زبان میں یہ لفظ فرانسیسی کے توسط سے آیا ہے۔ بہرصورت اردو ادب میں مضمون نگاری کی ابتداء کا سہرا سرسید مرحوم کے سر ہے۔ عرف عام میں یا اصطلاحاً" مضمون سے مراد کسی ایک موضوع کے متعلق خیالات و احساسات کا اظہار ہے جو ایک مربوط اور ادبی انداز کی تحریر کے ذریعے سے ہو اور جب یہی ادبی تحریر عالمانہ اور محققانہ انداز لئے ہو تو اسے "مقالہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علمائے ادب و انتقاد نے فن مضمون نگاری میں مہارت تامہ کے لئے کچھ اصول وضع کئے ہیں جن کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہو گا۔ ہیئت مضمون یعنی مضمون کی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کے لئے جن اجزاء کی ضرورت سمجھی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

1- جلی عنوان
2- تمہید و تعارف
3- الگ الگ پیرے یا ذیلی عنوانات
4- مربوط انداز تحریر
5- نتیجہ یا اختتام
6- توازن و تناسب ---- وغیرہ

معیاری مضمون نگاری یا مضمون کے حسن و نکھار اور دلاویزی و کشش کے لئے مزید اصولوں اور ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ ان ہدایات کے استعمال سے عمارت مضمون کی خوبصورتی اور مضبوطی میں اور اضافہ ہو گا۔ اور وہ یہ ہیں۔

وسعت نظر، مشاہدہ کائنات، تفکر و تدبر، نفسیات انسانی سے آگہی، تحریری مشق، قدرت زبان و بیان اور صفائی و خوش خطی وغیرہ۔

فن مضمون نویسی سیکھنے کے لئے مذکورہ بالا شرائط اور ضوابط کو جاننا اور ان کی

مسلسل مشق کرنا نہایت ضروری و اہم ہے تاہم یہ بات بھی بلا خوف و تردد کہی جا سکتی ہے کہ ان تمام اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے بعد بھی ایک اچھا مضمون تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثال اس شخص سے دی جا سکتی ہے جو علم الشعر کا بہت بڑا عالم بھی ہو اور اسے شعر گوئی کا لپکا بھی ہو' مگر اس کی شاعری رنگ تغزل سے یکسر تہی ہو۔ اور اس کے برعکس وہ شخص جو علم الشعر سے یک قلم ناواقف ہو مگر شاعری میں درجہ کمال کو چھو رہا ہو۔ دراصل مبداء فیاض نے مختلف انسانوں کو مختلف خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اب اگر ان صلاحیتوں کی آبیاری پورے شعورو ادراک سے کی جائے تو بالآخر ان صلاحیتوں پر ایسا رنگ بہار آ جاتا ہے کہ دنیا ان فنکاروں کے ہنر کا لوہا ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

البتہ ایسی مثالیں معدودے چند ہیں جو کسی مربی کی تربیت کا بار منت اٹھائے بغیر اپنی ذاتی کاوشوں سے اپنی صلاحیتوں کو نکھار کر کسی فن میں یکتائی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی سخت جانی کو نخل صحرائی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو بے آب و گیاہ لق و دق صحرا کے حشر خیز طوفان و حوادث کی گود میں نشوونما پا کر برگ و بار بھی لاتا ہے اور کڑکتی بلا خیز دھوپ میں مسافران دشت کو سایہ جاں فزا بھی فراہم کرتا ہے۔

بہرکیف یہ تو انسانی معاشرے کی عبقری شخصیات کی کہانیاں ہیں جن کی حنا بندی خود فطرت ہی کرتی ہے اور یہ مثالیں خال خال ہیں جن کا سردست یہاں کوئی ذکر مذکور نہیں۔ البتہ کسی بھی علم و فن کے اسرارو رموز' اس کے متلاشی پر اس وقت تک کامل طور منکشف نہیں ہو پاتے جب تک اس فن کے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کئے جائیں۔

1 - مربی (تربیت کرنے والا) کے لئے ضروری ہے کہ وہ مربوب (جس کی تربیت کی جائے) کے ذوق سلیم کی صحیح خطوط پر کمال انہماک و استغراق سے آبیاری کرے۔ مربوب کی مثال تو اس شیشے کے گلاس کی سی ہے جو پانی سے لبالب بھرا ہو اور اس کے پیندے میں رنگوں کی تہہ جمی ہو۔

2 - مربی ذوق سلیم پیدا نہیں کرتا (نہ کر سکتا ہے) بلکہ اس کو اپنی خوش سلیقگی سے جلا بخشتا ہے یعنی وہ قوت تخلیق کو خلق نہیں کرتا بلکہ اس کو

نکھارنے میں معاونت کرتا ہے۔ مربی کمال فنکاری و چابکدستی سے نشانہ باندھ کر' اس گلاس میں سنگریزے پھینکتا ہے اور اس احتیاط کے ساتھ کہ گلاس بھی نہ ٹوٹنے پائے اور جمے ہوئے رنگ بھی تہہ سے ابھر کر' کمال خوش اسلوبی سے سطح آب پر آکر پھیل جائیں۔

3 - جب یہ دل آویز رنگوں کی بہار سطح آب پر رعنائیوں کا ایک دھنک رنگ جال بچھا دے یعنی اس میں تخلیقی قوتیں پوری شدت کے ساتھ انگڑائی لیتی ہوئی بیدار ہو جائیں تو اب وہ صاحب تخلیق' اپنی تخلیقات کے لئے روایتی' لگے بندھے اصولوں کے مطابق چلنا' اپنی افتاد طبع کے خلاف پاتا ہے اور نئی راہوں کی جستجو اسے نت نئے جہانوں سے متعارف کراتی ہے۔ اور پھر اس کی "خون جگر" سے کھینچی ہوئی لکیریں' آنے والوں کے لئے اصول قرار پاتی ہیں۔

4 - صاحب تخلیق' جذب دروں کی پیہم ضربوں سے جب کیف و مستی میں ڈھل جائے اور اس سرمستی و وارفتگی کی کیفیت میں جہاں بھی بیٹھ کر پی لے وہی مے خانہ بن جایا کرتا ہے' ایک مضمون ہو تو اسے سو رنگ میں باندھتا ہے اور اس کے ہر رنگ کی اپنی علیحدہ پھبن اور تاثیر ہوتی ہے۔ وہ جس رنگ سے بھی ابتداء کرے اس کی دلکشی ماند نہیں پڑتی۔ بقول میر انیس۔

گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

5 - اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی خارجی دنیا (EXTERNAL WORLD) اور داخلی دنیا (INTERNAL WORLD) میں ایک مضبوط رابطہ پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کی داخلی دنیا کا تزکیہ (CATHARSIS) ہو چکا ہے۔ اب اس کی خارجیت کی حسن ترتیب مرہون منت ہے اس کی "داخلی" توانائی کی۔ اور اب اس کے باطن کی تاثیر اور سرشاریت' اس کے لفظوں اور اس کی تحریروں میں ڈھل ڈھل کر چھلک رہی ہے۔ اور اس کی یہ تاثیر اور سرشاریت' قاری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قاری اور صاحب تحریر ہم آہنگ ہو جایا کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہم آہنگی کا سبب اظہاریت ہے اور اظہاریت

سبب ہے داخلی آہنگ کا اور داخلی آہنگ سبب ہے تربیت کا۔۔۔۔

6 - اور جب داخلی و خارجی آہنگ میں ایک توازن و تناسب پیدا ہو جائے تو پھر کسی بھی موضوع پر اظہار خیال کیا جائے اور اس کے لئے کوئی سا بھی اسلوب اختیار کیا جائے قاری اس کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ داخل اور خارج کے ماحول میں ایک حسین آہنگ پیدا کرنے کے لئے "محنت شاقہ" کی ضرورت ہے اقبال" کے ہاں اسی کیفیت کا نام خون جگر ہے۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ' چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے' خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر' سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے سوا' سوز و سرور و سرود
نقش ہیں سب ناتمام' خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام' خون جگر کے بغیر

(بال جبریل)

علمائے ادب و انتقاد نے فن مضمون نویسی کے لئے جتنے بھی اصول و ضوابط متعین کئے ہیں ان کا تعلق خارجی آہنگ سے ہے جن کو اپنانے سے بصارت ملتی ہے اور داخلی آہنگ سے بصیرت۔۔۔۔ پس مضمون نگار کے لئے بصارت و بصیرت کا حسین امتزاج ہی اس کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اچھے مضمون کی خوبیاں

پروفیسر عبدالعزیز پرواز

ے گردش سے جو معذور ہو، وہ خون غلط
دل کو جو نہ چونکائے، وہ مضمون غلط

مضمون ایک ایسی صنف نثر ہے جس میں دیگر اصناف نثر کے مقابلے میں جامعیت اور بلاغت انتہا درجے کی ہوتی ہے۔ اور اسی بنا پر اسے مقبول ترین ذریعہ اظہار، تصور کیا جاتا ہے۔

مضمون کیا ہے؟ــــ اردو ادب میں یوں تو مضمون کی متعدد اور مختلف تعریفیں ملتی ہیں۔ مگر ان سب کو ملا کر پڑھنے سے جو مشترک بات نکلتی ہے وہ کچھ یوں ہے۔ "ایسی تحریر کہ جس میں زندگی کے حقائق و مسائل سے تعلق رکھنے والے کسی موضوع پر کوئی قلم کار اپنی معلومات، خیالات اور احساسات کو نیم مدلل اور شگفتہ انداز میں پیش کرے، مضمون کہلاتی ہے" اس تعریف کی رو سے مضمون پڑھ کر مضمون نگار کے خیالات کا پتہ بھی چلتا ہے اور اس کی وسعت مطالعہ تک بھی رسائی ہوتی ہے۔

مضمون نگاری کا فن بظاہر مشکل ہے۔ اچھا مضمون نگار بننے کے لئے اگرچہ فطری صلاحتیں لازمی ہے، تاہم چند ضروری عوامل اس کی قوت تحریر اور ابلاغی کوششوں کو مہمیز دیتے ہیں جن سے زبان میں طاقت اور تاثیر، قلم میں روانی، خیالات میں وسعت، اسلوب بیان میں نکھار اور فکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے، مضمون لکھتے وقت اگر چند اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھا جائے تو پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل پر بھی باسانی قلم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ایک اچھے مضمون کو مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل ہونا چاہئے۔

1 ...... مضمون کی کامیابی کا انحصار اس کے آغاز پر ہوتا ہے۔ عام طور پر مضمون کا آغاز روایتی قسم کے جملوں سے کیا جاتا ہے کہ جسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ادبی نکتہ سے یہ سقم خیالی کیا جاتا ہے۔ مضمون کا آغاز، کسی مقولہ، شعر یا کسی دلچسپ بات سے ہونا چاہئے۔ تمہید، نفس مضمون کی جانب شاہراہ کا درجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا تمہید کلمات موضوع سے متعلق ہونے چاہئیں۔ علاوہ ازیں ان میں جامعیت اور اختصار ہونا چاہئے۔

2 ...... مضمون کی زبان صاف اور سادہ ہونی چاہئے۔ مقفی و مسجع عبارت عام قاری کے

واسطے بوریت کا سبب ہو سکتی ہے۔ اس لئے مضمون کو ثقیل الفاظ بوجھل تراکیب اور پیچیدہ تشبیہات سے پاک ہونا چاہئے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں کوئی ترکیب بے ساختہ نوک قلم پر آ جائے' ایسی صورت میں اس ترکیب سے عبارت کی دلچسپی متاثر نہیں ہو پاتی۔ مضمون نگار اگر اپنی علمیت کا سکہ بٹھانے کی خاطر جان بوجھ کر مشکل الفاظ استعمال کرے۔ تو عبارت کی سلاست اور روانی میں فرق آ جائے گا اور یہ امر مضمون کی روح کو مجروح کر دے گا۔ مضمون نگار کے پیش نظر ہر وقت یہ منشاء و مدعا رہنا چاہئے کہ نہایت سادگی کے ساتھ اپنی معلومات و خیالات کا اظہار کرنا ہے۔

3 ...... ایجاز و اختصار مضمون کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ طویل خیالات کو کم مگر جامع الفاظ میں بیان کرنا اختصار یا ایجاز کہلاتا ہے۔ اس ضمن میں انداز تحریر ایسا ہو کہ دریا کو کوزے میں بند کر کے پیش کیا جائے۔ مختصر مگر جامع الفاظ کی حامل تحریر زیادہ موثر ثابت ہو سکتی ہے۔ طویل تر جملے اور خیالات کی بے جا طوالت قارئین کے لئے بوریت کا باعث بنتی ہے۔

4 ...... اچھا مضمون اختلافی قسم کے مسائل سے پاک ہوتا ہے۔ ایسے مسائل زیر بحث لانے سے مضمون نگار کی اپنی شخصیت بھی متنازعہ فیہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ مضمون لکھتے وقت بے جا قسم کی تنقید اور اختلافات سے اجتناب مفید ہے۔

5 ...... اچھے مضمون کی پہچان' اس میں پیش کردہ خیالات کی ترتیب اور ان کا مربوط ہونا ہے۔ مضمون نگار کو واقعات کی فطری اور منطقی ترتیب پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے وقت مواد اگرچہ کتنا ہی ٹھوس اور جاندار کیوں نہ ہو' لیکن اگر اس کی تقسیم و ترتیب غیر مناسب ہو گی تو فنی اعتبار سے مضمون کمزور رہ جائے گا۔ ضروری ہے کہ خیالات کو پیراگرافس کی صورت میں پیش کیا جائے۔ ایک خیال' ایک بات' ایک نکتہ یا ایک مثال کو ایک پیراگراف میں پیش کیا جانا چاہئے۔ مضمون کو پیراگرافس میں لکھنے کی بجائے ذیلی سرخیوں کے تحت بھی لکھا جا سکتا ہے۔ مگر سرخیوں کے لئے الفاظ نہایت احتیاط سے منتخب کرنے چاہئیں۔ اس سے جہاں منطقی استدلال میں جان پڑتی ہے وہاں مضمون میں دلکشی اور حسن کا مادہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مضمون مرحلہ وار اختتام کی جانب بڑھتا جاتا ہے۔ اس طرح مضمون نگار کو

اپنا مافی الضمیر مربوط طریقے سے پیش کرنے میں آسانی رہتی ہے۔
6 ...... ایک ہی بات مضمون کے حصوں میں بار بار نہ دھرائی جائے کیونکہ خیالات کی تکرار مضمون کو بے کیف اور بدمزہ بنا دیتی ہے۔
7 ...... زیادہ طویل اور گنجلک جملوں میں قواعد و محاورات کی غلطیاں پیدا ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اس سے مضمون میں تکلف اور تصنع کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے جسے تحریر کا عیب سمجھا جاتا ہے۔
8 ...... اشعار کا برمحل استعمال تحریر میں دل آویزی اور حسن پیدا کرتا ہے ویسے بھی اشعار میں جاذبیت اور آہنگ کا عنصر پایا جاتا ہے۔ موقع و محل کی مناسبت سے اگر اشعار کو شامل مضمون کیا جائے تو اس سے تحریر زیادہ موثر بن سکتی ہے۔
2 ...... ہر مضمون تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

تمہید، نفس مضمون، خاتمہ

تمہید کی مثال کسی عمارت کی پہلی اینٹ کی سی ہے۔ اگر پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی جائے تو بقول شاعر

ع تا ثریا می رود دیوار کج

اچھے مضمون کی جملہ خوبیوں میں جہاں تمہید کا مناسب و جامع ہونا، نفس مضمون کا جاندار اور مربوط ہونا شامل ہے، وہاں اختتام مضمون کا موثر اور دل پذیر ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ اختتامیہ میں موضوع کی جملہ تفصیلات اور بنیادی نکات کو سمیٹ کر بیان کرنا چاہئے تاکہ جزئیات مضمون بیک نظر قاری کے سامنے آ جائیں۔
1 ...... مضمون کی دلکشی میں نفاست اور خوش خطی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تحریر واضح اور خوبصورت ہو تو سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہے۔ اس طرح کوئی قیمتی شے بھونڈے انداز میں پیش کی جائے تو اپنی قدروقیمت کھو بیٹھتی ہے۔ جبکہ معمولی چیز کو بہتر اور خوشنما انداز میں پیش کیا جائے تو دیدہ زیب بن جاتی ہے۔
چنانچہ اچھے مضمون کے اوصاف میں سے ایک اہم وصف تحریر کا خوشنما اور واضح ہونا ہے۔ اور یہ وصف بار بار کی مشق سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

فن مضمون نویسی

"مضمون" ادب کی ایک اہم ترین صنف ہے۔ اردو ادب میں "مضمون نویسی" یا "مضمون نگاری" ایک مستقل اور اہم صنف نثر کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ ہمارے ہاں پرائمری جماعت کے امتحانات سے لے کر ایم۔ اے تک کے امتحانی پرچوں میں'مقابلے کے امتحانات بلکہ تمام امتحانات میں "مضمون نویسی" ایک مستقل اور ضروری سوال کے طور پر شامل ہے۔ بلکہ اگر عمومی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو فی الواقعہ مضمون نویسی کا سوال نمبروں کے لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

یہی نہیں' ہمارے اردو ادب کا ایک بیش قدر حصہ اسی صنف نثر پر مشتمل ہے۔ مضمون کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اصناف نثر میں سے خالص ترین نثری صنف ہے۔ خالص ترین نثری صنف؛ اس لئے کہ اگرچہ ڈرامہ' افسانہ اور کہانی وغیرہ بھی نثری اصناف ہیں.مگر یہ کسی نہ کبھی زمانے میں منظوم بھی رہی ہیں۔ البتہ مضمون از اول تا آخر نثری صنف ہے۔

دوسری تمام اصناف نظم و نثر کے مقابلہ میں مضمون نویسی ویسے بھی موثر ترین صنف نثر ہے ناول بہت زیادہ طویل' افسانے بالکل غیر حقیقی' ڈرامے غیر سنجیدہ اور سفر نامے' مبالغہ آرائی سے اس قدر آلودہ ہو چکے ہیں کہ قاری کا جی گھبرا جاتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں مضمون ایک غیر افسانوی' متوازن' علمی' سنجیدہ' دلچسپ اور معلومات افزاء صنف ہے اور میرے خیال میں نثر کی صحیح نمائندہ صنف صرف اور صرف مضمون ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اب یہ سوال کہ "مضمون کیسے لکھا جائے؟" تو اس کے جواب میں یہ بات بالکل شروع میں ہی یاد رکھ لی جائے کہ مضمون لکھنا ہرگز ہرگز مشکل کام نہیں ہے۔ دیکھئے! الفاظ سے فقرات' فقرات سے پیراگراف اور پیراگرافوں سے مضامین بنتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص ایک لفظ لکھ سکتا ہے' وہ ایک فقرہ بھی لکھ سکتا ہے' جو شخص ایک فقرہ لکھ سکتا ہے وہ ایک پیراگراف بھی لکھ سکتا ہے۔ اور جو ایک پیراگراف لکھ سکتا ہے وہ

مضمون بھی لکھ سکتا ہے۔ ایک انگریز مضمون نگار واکر نے کہیں لکھا ہے کہ جس طرح ریشم کا کیڑا اپنے لعاب سے اپنا غلاف خود بنتا ہے۔ اسی طرح مضمون نگار الفاظ کی کڑیوں سے کڑیاں ملاتا چلا جاتا ہے۔ اور مضمون تخلیق ہو جاتا ہے۔

میرے خیال میں مضمون نگاری یہ بالکل نہیں ہے کہ اس میں خشک دلائل' اور دقیق مسائل پر غیر دلچسپ انداز میں بحث کی گئی ہو بلکہ مضمون نگاری محض ایک سوال کا جواب ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ دیئے گئے عنوان کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ مضمون لکھتے وقت اپنے پیش نظر محض یہ بات رکھئے کہ مضمون نگاری کے پورے عمل کے دوران قابل توجہ صرف دو چیزیں ہیں۔

1۔ عنوان کے بارے میں آپ کی معلومات

2۔ اوران معلومات کو پیش کرنے کا انداز

چنانچہ آئندہ صفحات میں بیان کردہ تمام تفاصیل اور ہدایات کا مقصد و مدعا یہی ہے کہ آپ کو ان دو نکات کے بارے میں راہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی معلومات میں جدت' استناد اور وسعت پیدا کیجئے۔ اس کے لئے کثرت مطالعہ کو اپنا شعار بنائیے۔ ان معلومات کو خوبصورت' دلکش' پر اثر اور جاندار انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ جاننے میں یہ کتاب آپ کی مدد کرے گی۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ "مضمون" کہتے کسے ہیں؟

لفظ "مضمون" کے معانی

یہ جاننے کے لئے کہ دراصل مضمون کیا چیز ہے آیئے! سب سے پہلے لغات کے حوالے سے لفظ "مضمون" کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(1)--- مضمون : انشائیہ' اداریہ' مقالہ' آرٹیکل' مطلب' معنی' بات' سخن' وہ تحریر یا عبارت جو کسی خاص موضوع پر لکھی گئی ہو۔

(اعجاز اللغات ---- ذوالفقار احمد تابش)

(2)--- مضمون : مطلوب' مدعا' بیان

(پاپولر جدید اردو لغات)

(3)--- مضمون: مطلب' بیان' جواب مضمون' آرٹیکل

(جدید نسیم اللغات اردو)

(4)--- مضمون : ضمن میں لیا ہوا۔ درمیان میں ڈالی ہوئی چیز' مطلب' معنی' بیان جواب مضمون' انشاء' اداریہ' بات' سخن' وہ عبارت یا تحریر جو کسی خاص بحث پر لکھی جائے۔

(علمی اردو لغات ---- وارث سرہندی مرحوم)

(5)--- مضمون : موضوع بیان' کسی موضوع پر تحریری یا تقریری اظہار خیال

(فرہنگ عامرہ ---- محمد عبداللہ خان خویشگی)

(6)--- مضمون : (i) شامل' متعلق' وابستہ

(ii) موضوع' مفہوم' معنی' مطلب

(iii) تحریر' انشاء' نوشت' مقالہ' آرٹیکل

(قاموس مترادفات ---- وارث سرہندی مرحوم)

(7)--- مضمون : انشاء' جواب مضمون' آرٹیکل' سخن' وہ عبارت یا تحریر جو کسی خاص بحث پر لکھی جائے۔

(قائد اللغات ---- ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری)

(8)--- مضمون : ضمن میں لیا ہوا۔ معنی' مطلب

(کریم اللغات ---- مولانا کریم الدین)

(9)--- مضمون : درمیان میں لیا ہوا۔ مجازاً" بمعنی مطلب

(لغات کشوری ---- مولوی سید تصدق حسین رضوی)

(10)--- مضمون : وہ عبارت یا تحریر جو کسی خاص بحث پر لکھی جائے۔ آرٹیکل

(نور اللغات جلد ۴ ---- مولوی نور الحسن نیر)

(11)___ مضمون : مختصر ادب پارہ جس کا مقصد کسی خاص نکتے کا اثبات یا موضوع کی توضیح و تعبیر ہو۔

(قومی انگریزی اردو لغت ___ ڈاکٹر جمیل جالبی)

مضمون کی تعریف

اردو اور انگریزی کے بہت سے ماہرین علم و فن نے اس صنف ادب کی اپنے اپنے انداز میں تعریف کی ہے۔ ان تعریفات کا مطالعہ ہمیں اس قابل بنائے گا کہ ہم مضمون نویسی کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت کچھ کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے۔

1- "انوار ادب" میں مضمون کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔

"کسی موضوع پر اپنے خیالات' جذبات و احساسات کا بے ساختہ اور شگفتہ انداز بیاں میں اظہار' مضمون کہلاتا ہے۔"

2- پروفیسر رفیع الدین ہاشمی فرماتے ہیں۔

"کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار' مضمون کہلاتا ہے۔"

3- پروفیسر محمد اقبال اور پروفیسر عطاء الرحمن عتیق نے "نقش ادب" میں مضمون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔"

"وہ معلوماتی تحریر جس کا تعلق زندگی کے حقائق اور مسائل سے ہو' موضوع خشک اور واعظانہ نہ ہو اور ادبی انداز میں نہایت شگفتگی کے ساتھ لکھی جائے "مضمون" کہلاتی ہے۔"

4- جناب انیس ناگی فرماتے ہیں۔

"مضمون یا مقالہ "سیال" قسم کی ادبی ہیت ہے جو تصور یا جذبے کے ساتھ مختلف رنگ اختیار کرتی ہے۔"

5- علامہ نیاز فتح پوری نے ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی کی کتاب "اردو ایسیز" کے دیباچہ میں مضمون کی تعریف یہ بیان کی ہے۔

"مضمون (Essay) ایک خاص نہج و اسلوب کے مقالے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی خود کلامی (soliloquy) ہے۔ زیادہ تر (Subjective) قسم کی' جسے ہم (Self - communication) بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک خاص قسم کے فکر و

تصور کا نتیجہ ہے۔ جس میں تجزیہ جذبات' نفسیاتی مطالعہ' منطقی استدلال' فلسفیانہ تفکر' تصوفانہ استقراء اور انشاء عالیہ کا جمالیاتی اسلوب سب کچھ پایا جاتا ہے۔"

6- ایک اور جگہ یہ لکھا ہے۔

"عام معلوماتی تحریر جو نہ افسانہ ہو نہ انشائیہ۔ مضمون کہلاتی ہے۔"

چونکہ ادب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا اکثریتی حلقہ اس بات پر متفق ہے کہ "مضمون نویسی" کی صنف' اردو میں انگریزی ادب سے آئی تھی۔ چنانچہ آیئے اب چند انگریزی لغات کے حوالے سے "مضمون" کی تعریفات دیکھتے ہیں۔

1- ESSAY: "Piece of writing, usually short and in prose on any one subject."
(OXFORD ADVANCE LEARNER'S DICTIONARY)

2- ESSAY: "A non-fictional usually short literary composition dealing with its subject from a limited or personal point of view."
(BRITANNICA - WEBSTER DICTIONARY AND REFERENCE GUIDE)

3- ESSAY: "A short piece of writing on one particular subject that is written by student or by a writer for publication."
(COLLINS COBUELD ENGLISH LANGURGE DICTIONARY)

4- ESSAY: "A writing (often quite short) dealing with a particular subject."
(WEBSTER'S DICTIONARY)

5- ESSAY: "A literary composition of a particular subject. An essay is usually shorter and more personal but less methodical than a treatise."

(THE WORLD BOOK DECTIONARY)

6- ESSAY: A composition, usually in prose, which may be of a few hundred words or of book length and which discusses, a topic or a variety of topics.

(DICTIONARY OF LITERARY TERMS)

ان تمام تعریفات کے علاوہ اور بھی بہت سی لغات اور کتب کے حوالہ جات دیئے جا سکتے تھے لیکن اس سوچ سے کہ قارئین تقریباً" ملتی جلتی اور ایک ہی مفہوم پر مبنی ان تعریفات سے بہت حد تک یہ بات سمجھ چکے ہوں گے کہ مضمون ہوتا کیا ہے' بوریت سے بچنے کے لئے مزید بہت سی تعریفات شامل کتاب نہیں کی جا رہی ہیں۔

بہرحال ان تمام مطالب و مفاہیم اور تعریفات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ " کسی ایک موضوع سے متعلق اپنی تمام تر معلومات نہایت سادہ لیکن بہت ہی دلکش' دلچسپ اور مربوط انداز میں' تحریری طور پر قارئین تک منتقل کر دینا۔۔۔ مضمون نویسی یا مضمون نگاری (Essay-writing) کہلاتی ہے مضمون لکھنے والے کو مضمون نویس یا مضمون نگار (Essayist or Essayer) کہتے ہیں"۔۔۔

مضمون نویسی کی تاریخ

اگر ہم مضمون نگاری کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مضمون نویسی بنیادی طور پر اردو کی صنف نثر نہیں ہے بلکہ یہ انگریزی ادب سے اردو ادب میں منتقل ہوئی۔ انگریزی میں یہ صنف' فرانسیسی زبان سے آئی جہاں اسے (Issai) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ فرانسیسی میں (Issai) کا معنی کوشش کرنا بتایا جاتا ہے۔ فرانسیسی میں میشل دی مونتین (Michel De Montaigne) کو پہلا مضمون نگار مانا جاتا ہے۔ مونتین ۲۸ فروری ۱۵۳۳ء میں پیدا ہوا ۱۳ دسمبر ۱۵۹۲ء کو فوت ہوا۔ اس کی مقبول ترین کتاب (Essais) کو آج بھی مضمون نگاری پر مشتمل اولین کتاب سمجھا جاتا ہے۔

اگرچہ اس بات میں کچھ اختلاف موجود ہے اور اسی وجہ سے اردو میں مضمون کی تاریخ کے بارے میں حتمی طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکی ہے۔ تاہم اردو ادب کے اکثر نقاد اور اساتذہ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ہماری اپنی ادبی صنف نہیں ہے بلکہ انگریزی ادب کے زیر اثر اردو میں اس کا رواج ہوا ہے۔ اس بیان کے حق میں چند لوگوں کی آراء جاننے سے پہلے آیئے! ایک اور خیال پر مبنی ایک دلچسپ بیان ملاحظہ فرمائیں۔

"جہاں تک اس اصطلاح "Essay" کا تعلق ہے تو اس کی تاریخ بذات خود دلچسپی کی حامل ہے اور محمد ارشاد کے بقول "ہم میں سے بہتوں کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ فرانسیسی زبان کا لفظ "Issai" (کہ جسے Essay کا اصل ماخذ کہا جاتا ہے) درحقیقت فرانسیسی زبان کا لفظ نہیں بلکہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں سعی کے معانی کوشش اور "اسعی" کے معانی کوشش کرنے کے ہیں۔ اور یہی معانی Issai کے بھی بیان کئے جاتے ہیں۔"

(انشائیہ اور انشائیہ نگار بحوالہ کتاب انشائیہ کی بنیاد۔ ڈاکٹر سلیم اختر)

اس تمام بحث کے مطالعہ کے بعد ہم یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ مضمون نگاری کی صنف جسے ہم انگریزی کی صنف نثر سمجھتے تھے' وہ انگریزی میں فرانسیسی سے اور

فرانسیسی میں عربی زبان سے منتقل ہوئی تھی۔ بہرحال یہ بات طے ہے کہ اس کا ماخذ اور منبع کوئی بھی زبان ہو لیکن اردو میں یہ انگریزی زبان کے توسط سے وارد ہوئی ہے۔ اور اس نے انگریزی ادب ہی کی وساطت سے اردو ادب میں رواج پایا ہے۔ آیئے اس خیال کی ہم خیال آراء کا مطالعہ کریں۔

1 - ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، جنہوں نے سر سید احمد خاں کے مضامین پر مشتمل کتاب "مضامین سر سید" ترتیب دی ہے اور اس کا مقدمہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اردو ادبیات میں مضمون نگاری انگریزی ادبیات کے زیر اثر انیسویں صدی میں شروع ہوئی۔"

2 - ڈاکٹر بشیر سیفی "اردو انشائیہ نگاری" میں رقم طراز ہیں "اردو ادب میں مضمون نگاری، انگریزی ادب کی صنف "ایسے" کے زیر اثر شروع ہوئی۔"

3 - "اردو اسالیب نثر" میں ڈاکٹر امیر اللہ خان شاہین لکھتے ہیں کہ "اردو ادب میں یہ صنف انگریزی کے زیر اثر آئی جہاں اسے Essay کا نام دیا گیا ہے۔"

4 - ڈاکٹر سید عبداللہ فرماتے ہیں "ادب کی صنف جس کا انگریزی نام Essay ہے۔ یورپ سے حاصل کی گئی ہے۔"

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے **فرانسیس بیکن (FRANCIS BANCON)** نے فرانسیسی سے اس صنف کو لیا اور انگریزی میں اس کا رواج پیدا کیا فرانس بیکن 1561 میں پیدا ہوا۔ اور 1626 میں اس کی وفات ہوئی انگریزی میں لکھے اس کے مضامین کو آج بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بیکن کے بعد انگریزی "ایسے" کی عمارت کو **جوزف ایڈیسن** اور **رچرڈ سٹیل** نے پختہ بنیادیں فراہم کیں اور خوبصورت مضامین رقم کئے۔ انگریزی ادب میں اس صنف نے بہت زیادہ مقبولیت حاصل کی، انگریزی کے نامور مضامین نگاروں کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن کا یہاں پر تذکرہ نہ تو موضوع کتاب ہے اور نہ ہی ضروری و اہم۔ چنانچہ ہم اپنے اصل موضوع یعنی اردو مضمون کی طرف آتے ہیں۔

اردو کا پہلا مضمون نگار

دوسرے معاملات کی طرح' اگرچہ اردو کے پہلے مضمون نگار کے بارے میں بھی دو ایک اختلافی آرا موجود ہیں اور بہت سے لوگ ماسٹر رام چندر کو اردو ادب کا پہلا مضمون نگار قرار دیتے ہیں' لیکن اردو ادب کے زیادہ تر نقاد جن میں ڈاکٹر سید عبداللہ' ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار' ڈاکٹر بشیر احمد سیفی' ڈاکٹر سلیم اختر' پروفیسر رفیع الدین ہاشمی' حامد حسن قادری' عظیم الحق جنیدی اور عطش درانی وغیرہ شامل ہیں' سر سید احمد خاں کو ہی اردو ادب کا پہلا مضمون نگار تسلیم کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا افراد میں سے چند ایک کے بیانات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

1 - "سر سید احمد اردو کے اولین مضمون نگار ہیں۔ اولین اس معنی میں کہ انہوں نے سب سے پہلے شعوری طور پر انگریزی مضمون نگاروں سے اثر قبول کیا۔ اور آنے والے مضمون نگاروں کے لئے شاہراہیں متعین کیں۔"

(سید عبداللہ۔ سر سید احمد اور ان کے رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ ص ۴۷)

2 - "ایسے (Essay) سے مراد وہ عمومی مضامین ہیں جن کا باقاعدہ آغاز سر سید احمد خاں کے مضامین سے ہوا۔"

(ڈاکٹر بشیر سیفی)

3 - "مضمون نگاری کو انگریزی سے اردو میں متعارف کروانے کا سہرا سر سید احمد خاں کے سر ہے۔"

(ڈاکٹر سلیم اختر)

4 - "اردو میں مضمون نویسی کا باقاعدہ آغاز سر سید احمد خاں سے ہوا۔"

(پروفیسر رفیع الدین ہاشمی)

5 - "اردو میں سب سے پہلے مضمون نگار سر سید احمد خاں ہیں۔"

(عطش درانی)

6 - سر سید احمد خاں اردو میں اس صنف ادب کا باقاعدہ آغاز کرنے والے ہیں۔

(ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار)

7 - سر سید احمد خاں ہی اردو میں مضمون نگاری اور مقالہ نگاری کے بانی ہیں۔

(حامد حسن قادری)

ان آراء سے اختلاف رکھنے والے لوگ بھی اگرچہ بہت زیادہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود راقم حروف نے اس سلسلہ میں جو تحقیق و مطالعہ کیا ہے' ادب کی بڑی بڑی قد آور شخصیات کے بیانات پڑھے ہیں' ان سے مصنف اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اردو میں سر سید احمد خاں ہی اس صنف کے بانی تھے۔ سر سید احمد خاں ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔ اردو ادب میں اتنی عمدہ اور اہم صنف کی بنیاد رکھنے اور پھر خوبصورت علمی' ادبی اور اصلاحی مضامین تخلیق کرنے کی وجہ سے آپ کو "فادر آف اردو لٹریچر" (Father of Urdu Literature) بھی کہا جاتا ہے۔

جب آپ یورپ تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے مختلف مجلہ جات جن میں سے "ٹیٹلر (The Tatler) اور **اسپیکٹیٹر** (The Spectator)" کے نام نمایاں ہیں' میں مضمون نویسی کی صنف کا مطالعہ کیا تو واپسی پر اپنے رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے اردو ادب میں اسے رواج دیا۔ اردو ادب پر لکھی جانے والی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے شعوری طور پر مضمون یا (Essay) کی صنف کو سر سید احمد خاں نے ہی اختیار کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے "تہذیب الاخلاق" کے مضامین کے ذریعے نہ صرف اردو ادب میں سادہ اور خوبصورت نثر کو رواج دیا ہے بلکہ اصلاح ملت کا فریضہ سر انجام دینے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

سر سید احمد خاں اپنے دور کے ایک عظیم مصلح قوم' تعلیم دان (Educationist) صحافی اور نثر نگار تھے۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جو اقدامات اٹھائے' انہیں مجموعی طور پر تحریک علی گڑھ کا نام دیا جاتا ہے۔

آپ نے ایک اخبار **"سائینٹفک سوسائٹی میگزین"** اور دوسرا "تہذیب الاخلاق" جس کا دوسرا نام "محمڈن سوشل ریفارمر" بھی تھا' جاری کئے۔ اور ان دونوں اخبارات میں بہت سے خوبصورت علمی و ادبی مضامین لکھے۔ آپ کی مضمون نگاری کو

موضوعات کے لحاظ سے تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- سیاسی مضامین

ایسے مضامین میں سر سید احمد' سیاسی شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں اور سیاست کے ذریعے قوم و ملت کی راہنمائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

2- اصلاحی مضامین

ایسے مضامین کے مطالعہ سے سر سید احمد خاں ایک "مصلح قوم" کے روپ میں اور ایک سوشل ریفارمر کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ ان مضامین کے ذریعے سر سید معاشرے کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

3- ادبی مضامین

اگرچہ سر سید احمد خاں کے مضامین میں سہل نگاری اور سادگی اس قدر رچی بسی ہے کہ بعض مضامین میں وہ ادبیت کی بالکل بھی پرواہ کرتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کے بہت سے مضامین میں بہت خوبصورت ادبی رنگ نظر آتا ہے۔

ان کے علاوہ آپ کے مضامین کی مندرجہ ذیل اقسام بھی بیان کی جاتی ہیں۔

- مذہبی و اسلامی مضامین
- تفسیری مضامین
- فلسفیانہ مضامین
- علمی و تحقیقی مضامین
- تاریخی مضامین
- سوانحی مضامین
- تعلیمی' تربیتی اور معاشرتی مضامین
- تنقیدی مضامین
- سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مضامین
- مضامین مشتمل بر قصص قرآنی وغیرہ

اپنے مضامین کے ذریعے آپ نے مسلمانوں کو تہذیب و تمدن سکھانے اور انہیں معاشرے میں ایک باعزت اور پر وقار مقام حاصل کرنے کے قابل بنانے کے لئے گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں۔ آپ کو اردو کی جدید نثر کا بانی بھی مانا جاتا ہے۔ سادگی، سنجیدگی، جدت پسندی، منطقی انداز استدلال اخلاق آموزی، روانی و سلاست۔۔۔۔ یہ وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو کہ آپ کی نثر کا خاصہ ہیں اور نئے لکھنے والوں کے لئے قابل تقلید بھی۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

"جہاں تک ہم سے ہو سکا، ہم نے اردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں (تہذیب الاخلاق) کے ذریعے سے کوشش کی، مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہماری کج مج زبان نے یاری دی، الفاظ کی درستی اور بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگینی عبارت سے، جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا۔ تک بندی سے، جو اس زمانے میں مقفی عبارت کہلاتی ہے، ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔"

(تہذیب الاخلاق۔ یکم شوال ۱۲۹۲ ہجری)

اردو کے نامور مضمون نگار

سر سید احمد خاں نے "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے مضمون نگاری کا جو سلسلہ شروع کیا تھا' اسے شیخ عبدالقادر نے اپنے مجلّے "مخزن" کے ذریعے آگے بڑھایا۔ یعنی سر سید کے لگائے ہوئے شجر سے مختلف شاخیں پھوٹیں۔ اسی اولین دور میں مولانا الطاف حسین حالی' محسن الملک' وقار الملک' مولانا محمد حسین آزاد' شبلی نعمانی' مولانا چراغ علی' مولانا عبدالحلیم شرر' مولوی نذیر احمد' ذکاء اللہ' سید سلیمان ندوی' ابوالکلام آزاد' عبدالماجد دریا آبادی' مولانا امین احسن اصلاحی' جیسے جلیل القدر لوگوں نے مضمون نگاری میں خوبصورت جواہرپاروں کا اضافہ کیا اور ادب کی جھولی' جوکہ اب تک اس صنف نثر سے تقریباً" خالی تھی' کو بھرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

دوسرے دور میں جن مضمون نگاروں نے نوک قلم سے ادب کے صفحات کو روشنی بخشنے کا اہتمام کیا ان میں سید سجاد حیدر یلدرم' مہدی آفادی' سید سلیمان ندوی' سر عبدالقادر' علامہ اقبالؒ' غلام رسول مہر' حافظ محمود شیرانی' خوشی محمد ناظر' حسن نظامی' مسعود حسن رضوی ادیب' مولانا ظفر علی خاں' ڈاکٹر شوکت سبزواری' مولوی عبدالحق' وحید الدین سلیم وغیرہ کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان لوگوں نے بھی ادب کے دامن کو مضمون نگاری کے نادر شہ پاروں سے مالا مال کیا اور خوبصورت علمی و ادبی مضامین تخلیق کئے۔

تیسرے دور میں جن لوگوں نے اس صنف نثر کو اپنایا اور اس کے ذریعے اردو ادب کی خدمت کا فریضہ سر انجام دیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ نمایاں لوگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ نیاز فتح پوری' ماسٹر کرشن چندر' کنہیا لال کپور' پطرس بخاری' ڈاکٹر احسن فاروقی' مولانا ابوالاعلی مودودی' ڈاکٹر سید عبداللہ' ڈاکٹر شوکت سبزواری' پروفیسر سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر ابواللیث صدیقی' پروفیسر رشید صدیقی' مجنوں گورکھپوری' ڈاکٹر وزیر آغا' پروفیسر عبدالسلام' احمد ندیم قاسمی' پروفیسر احتشام حسین' پروفیسر وقار عظیم' پروفیسر غلام حسین ذالفقار' ڈاکٹر جمیل جالبی' ابوالخیر کشفی' آل احمد سرور' ڈاکٹر انور سدید' ڈاکٹر صفدر محمود' جیلانی کامران' نصیر الدین نصیر' سلیم احمد' خورشید الاسلام' محمد طفیل'

مشکور حسین یاد' سراج منیر' خواجہ محمد زکریا' عرش صدیقی' ڈاکٹر اے۔ بی اشرف' سلیم اختر' محمد خالد اختر' مرزا منور احمد' شیخ منظور الٰہی' پروفیسر کرم حیدری' مختار مسعود اور واصف علی واصف وغیرہ۔۔۔ ان بزرگوں نے نہایت عمدہ اور خوبصورت مضامین لکھے ہیں جو مقدار (Quantity) اور معیار (Quality) دونوں کے اعتبار سے ادب کا بہت بڑا اثاثہ ہیں۔

انشائیہ' مضمون اور مقالہ

ایک اور بہت بڑی مشکل' جس نے مضمون نویسی پر کوئی قابل ذکر اور جامع کتاب کی فراہمی میں رکاوٹ ڈالے رکھی' وہ یہ ہے کہ نہ صرف اردو ادب کے طلباء اور عام قارئین' انشائیہ' مضمون اور مقالہ کے فرق کو واضح طور پر سمجھنے سے قاصر رہے ہیں بلکہ اردو ادب کے بہت سے نقاد بھی ان میں صحیح فرق و تفاوت سمجھنے اور بیان کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بہت سے لکھنے والوں کو لکھتے وقت یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ انشائیہ لکھ رہے ہیں' مضمون لکھ رہے ہیں یا مقالہ۔۔۔ پہلے پہل تو یہ ابہام بہت زیادہ تھا لیکن اب آہستہ آہستہ ان کا فرق کچھ نمایاں ہوتا جا رہا ہے اور بہت سے لوگ ان کے درمیان صحیح فرق سمجھنے میں بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انگریزی ادب میں نثری اور غیر افسانوی تحریر کے لئے جو اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں وہ بھی اردو کی اصطلاحات کی طرح تین چار یا اس سے بھی زائد ہیں۔ وہاں پر Article' Essay' Personal Essay اور Thesis وغیرہ کے الفاظ مستعمل ہیں۔ اب مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ان میں سے کون سا لفظ انشائیہ کا مترادف ہے' کون سا مضمون کا اور کون سا مقالے کا۔۔۔ اگرچہ موجوذہ دور میں ادبی تحقیق و ترقی سے یہ بات بھی کافی حد تک واضح ہو چکی ہے۔ اگر نہیں ہوئی تو کم از کم اس کتاب کی وساطت سے یہ عقدہ ضرور وا ہو جانا چاہئے۔ آیئے اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

انشائیہ اور مضمون میں فرق

سب سے پہلے انشائیہ اور مضمون کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

انشائیہ	مضمون
1 - انشائیہ مختصر ہوتا ہے موضوع کی جزیات پر بحث کرنے کی بجائے سرسری انداز اپنایا جاتا ہے۔	مضمون' انشائیہ کے مقابلہ میں طویل ہوتا ہے موضوع کی جزیات تک سے بحث کرتا ہے۔
2 - انشائیہ منطقی لحاظ سے بے ربط ہوتا ہے بلکہ بعض نقاد حضرات کے نزدیک بے ترتیبی اور بے ربطی ہی انشائیے کا حسن ہے۔	مضمون نویسی کے اہم اصولوں میں سے ایک اصول "اصول ربط" ہے۔ ترتیب و تدریج کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔
3 - انشائیہ ایک شگفتہ' بے ساختہ اور بے تکلف صنف نثر ہے۔	مضمون اپنی سادگی کے باوجود سنجیدہ' عالمانہ اور پر تکلف انداز تحریر لئے ہوئے ہوتا ہے۔
4 - انشائیہ ایک داخلی صنف ہے۔ لکھنے والے کی ذاتی آراء' ذاتی تجربات و مشاہدات' داخلی کیفیات' محسوسات' ذہنی تخیل' قلبی واردات وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔	مضمون خارجی عوامل کے مطالعہ و تحقیق کو بیان کرنے کا نام ہے۔ کسی موضوع یا مسئلے کے متعلق مضمون نگار کی اپنی آراء شامل ہو سکتی ہیں۔ لیکن حقیقت پسندی سے انحراف ممکن نہیں ہے۔
5 - انشائیہ محض وقتی شگفتگی' لطافت اور تازگی کا باعث بن سکتا ہے۔	مسائل کے حل اور علوم کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی وجہ سے پر اثر اور دیرپا ثابت ہوتا ہے۔

انشائیہ	مضمون
6 - مصنف کی اپنی ذات خصوصی طور پر نمایاں رہتی ہے۔	مضمون ذاتیات سے کسی قدر ماوراء ہوتا ہے اور مضمون نگار کی ذات عام طور پر مضمون پر اثر انداز نہیں ہوتی۔
7 - انشائیے میں زیادہ تر عدم تکمیل کا احساس ہوتا ہے اور تشنگی محسوس ہوتی ہے۔	عام طور پر موضوع کے تمام پہلوؤں کا مکمل نہیں تو کسی حد تک جائزہ لے لیا جاتا ہے۔
8 - انشائیہ نگار اپنے انشائیے کے ذریعے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکالتا یا انشائیہ پڑھنے سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔	مضمون نگار مضمون کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر قاری کو ایک نتیجے پر پہنچاتا ہے۔ نتیجہ مضمون کا لازمی جزو ہے۔
9 - انشائیے کا اختتام اچانک ہوتا ہے۔	مضمون کا اختتام ایک خاص ترتیب سے آنے والے حقائق کے بعد منطقی لحاظ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔
10 - انشائیہ نگار کسی خاص مقصد یا اصلاح کی خاطر انشائیہ نہیں لکھتا' اس میں مشورہ' اصلاح' مسائل کا حل وغیرہ نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔	ایک خاص پلاننگ اور مقصد کے تحت لکھا جاتا ہے مضمون نگار کا مقصد کسی مسئلے کا حل ڈھونڈنا ہوتا ہے۔ وہ مشورے بھی دیتا ہے۔ اور اصلاح احوال کی راہ بھی تجویز کرتا ہے۔
11 - انشائیہ نگار کی ذاتی داخلیت کی وجہ سے اسے Personal Essay کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے Article بھی کہا جا سکتا ہے۔	صحیح طور پر Essay کا مترادف مضمون ہی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب "اشارات تنقید" (ص ۲۵۰) میں مضمون کا مترادف Essay ہی کو لکھا ہے۔

غالباً" ان نکات سے انشائیہ اور مضمون کا فرق واضح ہو چکا ہو گا۔ اس فرق کو مزید سمجھنے کے لئے ڈاکٹر بشیر سیفی کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

"مضمون میں عموماً" ایک تمہید ہوتی ہے۔ جس میں مضمون کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ پھر اس کی خوبیاں یا خامیاں دلائل کے ساتھ واضح کی جاتی ہیں اور آخر میں نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس انشائیہ مضمون نگاری کا ایک خاص انداز ہے جس میں تمہید ہوتی ہے نہ دلائل کا کوئی سلسلہ قائم کیا جاتا ہے۔ اور نہ کسی قسم کا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ انشائیہ نگار موضوع کے بارے میں اپنے شخصی تجربات اور انفرادی تاثرات کچھ اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس کی شخصیت کا کوئی چھپا ہوا گوشہ قارئین پر منکشف ہو جاتا ہے۔"

(اردو میں انشائیہ نگاری)

جناب جمیل آرزو لکھتے ہیں "انشائیہ انگریزی کے ان مضامین کا مرہون منت ہے جو **پرسنل ایسیز** (Personal Essays) کہلاتے ہیں۔

مضمون اور مقالے میں فرق

انشائیہ اور مضمون کے مابین فرق واضح ہو جانے کے بعد، اب مضمون اور مقالے کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

	مضمون	مقالہ
1 -	مضمون، مقالے کے مقابلہ میں مختصر ہوتا ہے اس میں بہت زیادہ تفصیل نہیں ہوتی۔	مقالہ ضخامت میں مضمون سے بڑا اور طویل ہوتا ہے۔
2 -	مضمون عام طور پر سادہ اور تاثراتی ہوتا ہے۔	مقالہ عالمانہ ہوتا ہے اور مضمون کی نسبت اس میں زیادہ گہرائی ہوتی ہے۔
3 -	مضمون عموماً" بیانی نوعیت کا ہوتا ہے۔	مقالہ خالصتاً" تحقیقی نوعیت کا ہوتا ہے۔
4 -	انداز نہایت دلچسپ ہوتا ہے، انداز بیاں اور طرز تحریر عام فہم اور پرلطف ہوتا ہے۔	مقالہ عام طور پر غیر دلچسپ انداز تحریر لئے ہوئے ہوتا ہے اور اسے خشک تصور کیا جاتا ہے۔
5 -	اس میں عمومی مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔	ٹھوس علمی، ادبی اور فلسفیانہ مسائل زیر بحث آتے ہیں۔
6 -	اگرچہ اس میں جزیات پر بھی بحث ہوتی ہے لیکن موضوع کے تمام پہلو پوری طرح زیر بحث نہیں آتے۔	موضوع کا ہر پہلو اور ہر پہلو کی جزیات اس میں شامل ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے نکات کو بھی تشنہ نہیں رہنے دیا جاتا۔
7 -	سادہ اور عام فہم ہونے کی وجہ سے عوام کی صنف نثر ہے۔	اعلیٰ تعلیم یافتہ، خاص علمی و ادبی طبقے کی پسندیدہ صنف ہے۔

8 - مضمون میں ادبی حسن اور زبان و بیان کی دلکشی ملحوظ خاطر رکھی جاتی ہے۔	ادبی حسن اور زبان و بیان کی دلکشی کی بجائے چھان بین اور تحقیق و جستجو پر زور ہوتا ہے۔
9 - مضمون ہی صحیح طور پر Essay کا متبادل لفظ ہے۔	مقالے کو Essay کہنا درست نہیں ہے۔ اس کا صحیح متبادل Thesis ہے۔

ان نکات سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انشائیہ' مضمون سے مختصر اور مضمون' مقالے سے مختصر ہوتا ہے۔ درحقیقت مقالہ مضمون کی توسیعی شکل ہے جبکہ مضمون' انشائیے کی تفصیلی اور باربط صورت ہے۔ یہی حال مشکل پسندی' سادگی' شگفتگی' مزاح اور حسن بیان کا بھی ہے۔ انشائیہ بہت زیادہ شگفتہ' اور بے تکلف ہوتا ہے۔ مضمون قدرے شگفتہ اور پرلطف جبکہ زیادہ تر سنجیدہ' سادہ اور معلومات افزا ہوتا ہے۔ ان دونوں کے مقابلہ میں مقالہ بے حد سنجیدہ' پر تکلف' رسمی' خشک' فلسفیانہ اور تحقیقی ہوتا ہے۔ دقیق سے دقیق مسائل جو انشائیے میں بالکل بھی نہیں چھیڑے جا سکتے اور مضمون کے دائرہ کار میں نہیں آتے' مقالے میں زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ موضوع کے ایک ایک جزو' ایک ایک پہلو پر سیر حاصل گفتگو ہوتی ہے۔ معلومات اکھٹی کی جاتی ہیں۔ اور انہیں ایک باربط' باترتیب اور منطقی انداز میں لکھا جاتا ہے۔ یہ بات بار دگر سمجھ لی جائے کہ انشائیے کو شذرہ (Article) یا (Personal Essay)' مضمون کو Essay اور مقالے کو (Thesis) کہا جاتا ہے۔

مضمون کی اقسام (Types of Essays)

ساخت اور موضوعات کے لحاظ سے مضمون کی بہت سی اقسام بیان کی جا سکتی ہیں۔ لیکن مضمون کی بڑی بڑی اور اہم اقسام یہ ہیں۔

1- قومی و ملی مضامین (Essays on National Topics)

اس میں ملت اسلامیہ کے حوالے سے' اسلامی تعلیمات سے متعلقہ یا وطن عزیز کے قومی و ملکی موضوعات پر تحریر لکھی جاتی ہے۔ مثلاً" اسوہ حسنہ' معرکہ کربلا' اسلامی جنگیں' پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم' نیو ورلڈ آرڈر اور مسلم دنیا' اتحاد بین المسلمین' دو قومی نظریہ' حب الوطنی کے تقاضے' اقبالؒ بطور شاعر امت مسلمہ' پاکستان بطور اسلامی فلاحی مملکت وغیرہ وغیرہ--- چونکہ یہ موضوعات انتہائی اہم نوعیت کے ہوتے ہیں اس لئے ان پر مضمون نگاری کرتے وقت معلومات کی صحت اور واقعات کے حقیقی پہلو سے کوتاہی ہرگز نہیں برتنی چاہئے۔ اور انتہائی توجہ' باریک بینی اور بالغ نظری سے معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔

2- بیانیہ یا حکائی مضامین (Descriptive or Narrative Essays)

اس طرح کے مضامین میں کسی دیکھے ہوئے نظارے' مقام' کھیل' مشاہدے' سفر یا کیفیت وغیرہ کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔ اس طرح کے مضامین کا انداز کہانی یا حکایت سے تھوڑا بہت ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مضامین لکھنے کے لئے صحیح مشاہدہ' وسیع مطالعہ اور الفاظ پر پوری دسترس ہونا ضروری ہے۔ اس میں مضمون نگار کو تفصیلات اور جزیات پر نظر رکھتے ہوئے ان کے بیان کا صحیح سلیقہ معلوم ہونا چاہئے۔
عام طور پر بیانیہ مضامین لکھتے وقت (زمانہ ماضی----- Past Tense) کا استعمال کیا جاتا ہے اور بعض اوقات تو مضمون نگار اپنی ذات کو درمیان میں سے نکال دیتا ہے۔
یہ انداز پرانا ہو چکا ہے۔ اب تو بیانیہ مضمون کی اثر خیر شان کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے زمانہ حال میں لکھا جائے اور دلچسپی کے عنصر کا بھرپور خیال رکھا جائے۔
اس قسم کے مضامین کی مثالیں درج ذیل ہیں۔ ایک میچ کا آنکھوں دیکھا حال' ایک

ناقابل فراموش واقعہ' عجائب گھر کی سیر' کالج میں میرا اولین دن' چاندنی رات کا منظر' ہاسٹل کی زندگی' میلہ چراغاں اور تقریب تقسیم انعامات وغیرہ وغیرہ۔

3- تاریخی مضامین (Historical Essays)

اس قسم کے مضامین میں تاریخی واقعات' تاریخی عمارات اور تاریخی اشخاص کے بارے میں معلومات قلمبند کی جاتی ہیں۔ حکومتوں کے عروج و زوال کا مطالعہ' شخصیات کے دور اقتدار کا تجزیہ' تاریخ اسلام کا مطالعہ اور مصلحان قوم کے سوانح حیات' اسی قسم کے مضامین میں آتے ہیں۔ اس قسم کے مضامین میں انداز بیان اور طرز تحریر کے ساتھ ساتھ مواد کی فراہمی پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی جاتی ہے۔ زمان و مکاں کی صحیح تصویر کشی اور واقعات میں حقیقت کی اہمیت سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کوشش کی جانی چاہئے کہ بوریت پیدا نہ ہونے دی جائے' دلچسپی برقرار رہے لیکن ساتھ ہی ساتھ مبالغہ آرائی کی آمیزش سے پرہیز لازم ہے۔ اس قسم کے مضامین کی مثالیں یہ ہیں۔

محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد' پاک بھارت جنگ 65ء' سقوط مشرقی پاکستان برصغیر میں اسلام کی آمد' اشاعت اسلام میں صوفیاء کا کردار' حضرت امیر خسرو پہلے اردو شاعر۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

4- اشعار یا مصرعوں پر مضامین (Essays on Verses)

اس قسم کے مضامین میں کوئی مشہور شعر' مصرع یا مقولہ بطور عنوان دیا جاتا ہے اور اس پر مضمون نگاری کی دعوت دی جاتی ہے۔ ایسے مضامین قلمبند کرنے کے لئے ضروری ہے سب سے پہلے شعر' مصرعے یا مقولے کے معانی اور مفاہیم کو اچھی طرح سمجھا جائے' اس کے مرکزی خیال کو سمجھا جائے اور پھر اس کے مطابق اپنی آرا دی جائیں۔ اس سلسلہ مین یہ بھی ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ مصرع یا شعر کس نظم یا غزل سے ہے اور اس کا سیاق و سباق کیا ہے۔ یہ مصرع یا شعر کس پس منظر میں لکھا گیا ہے اور اس میں شاعر حقیقی طور پر کہنا کیا چاہتا ہے؟ ایسے مضامین کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

ع شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔

ع احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات۔
ع کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔
ے قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے
ع تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
تندرستی ہزار نعمت ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

5- علمی و ادبی مضامین (Literary And Artistic Essays)

ایسے مضامین میں علمی اور ادبی موضوعات پر تحریر لکھی جاتی ہے۔ اس میں عام طور پر زبان دانی کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ بحث کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ اپنے موقف کو دلائل کے ذریعے پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مضامین زیادہ تر معاشرتی' سیاسی' معاشی' تعلیمی' ثقافتی' تہذیبی' اقتصادی اور ادبی موضوعات پر قلمبند کئے جاتے ہیں۔ ایسے مضامین میں چونکہ استدلال کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں "استدلالیہ مضامین" بھی کہتے ہیں۔ ان میں عقلی' ذہنی اور منطقی سوچ کارفرما ہوتی ہے جو آخر کار کسی اہم نتیجے پر جا کر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ "ملکی ترقی اور شجرکاری' معاشرے میں عورت کا کردار اور مقام' منشیات کے نقصانات' ہمارے اخبارات' موجودہ ادبی گروہ بندیاں' جرائم کی روک تھام' وغیرہ وغیرہ۔" اسی قسم کے مضامین کی مثالیں ہیں۔

6- سوانحی مضامین (Biographical Essays)

کسی شخص کے حالات زندگی پر مضمون قلم بند کرنے کو سوانحی مضمون کہتے ہیں اور اگر لکھنے والا خود اپنی زندگی کے متعلق مضمون لکھے تو اسے خود نوشت سوانحی مضمون (Autobiographical Essay) کہا جاتا ہے۔ سوانحی مضمون کے سلسلہ میں یہ امر ازحد ضروری ہے کہ واقعات صحیح اور سچے ہوں' تواریخ درست ہوں اور واقعات تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان کئے گئے ہوں۔ یعنی پیدائش' بچپن' ابتدائی تعلیم' نوجوانی' اعلیٰ تعلیم' شادی' روزگار' کارنامے اور وفات وغیرہ اگر کسی شخصیت کا خاندانی پس منظر دینا مقصود ہو تو وہ پیدائش سے پہلے یا اس کے فوری بعد بیان کیا جائے گا۔

سوانح نگاری یا شخصیت نگاری نہایت اعلیٰ فن ہے اور اس کے لئے مطالعہ اور مشاہدہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر کسی شخصیت کی زندگی یا کارناموں کے متعلق لوگوں کی آراء بھی شامل مضمون کی جا رہی ہوں تو ان آراء کے حوالہ جات بھی دیئے جانے چاہئیں۔
سوانحی مضامین کی مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ ـــــــ بحیثیت انسان کامل۔
۲۔ ٹیپو سلطان ـــــــ حالات اور کارنامے
۳۔ حیات قائدؒ ـــــــ ایک جہد مسلسل
۴۔ مفکر پاکستان ـــــــ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ وغیرہ

7- تعلیمی مضامین (Educational Essays)

جیسے جیسے علوم ترقی کرتے جا رہے ہیں' ان کی نئی نئی شاخیں وجود میں آتی جا رہی ہیں۔ تعلیم کا شعبہ بھی اپنی بے پناہ تحقیق اور وسعت کی بدولت علم کی علیحدہ شاخ کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ چنانچہ تعلیم و تدریس سے متعلقہ مجلّہ جات اور مضامین کی تقسیم بھی علیحدہ کر دی گئی ہے۔ وہ مضامین جن میں تعلیم و تدریس سے متعلقہ موضوعات کو زیر بحث لایا جاتا ہے انہیں تعلیمی مضامین کہتے ہیں۔ یہ چونکہ ایک خاص شعبہ ہے اس لئے اس قسم کے مضامین لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم کی مخصوص اصطلاحات کا علم ہو اور انہیں انہی معانوں میں استعمال کیا جائے جن معانوں میں اہل فن استعمال کرتے ہیں۔ تعلیم کا شعبہ چونکہ معاشرے میں تعلیم کی ترویج و تنظیم کا کام کرتا ہے اور معاشرے کے لئے سودمند افراد پیدا کرنے کی فیکٹری کا درجہ رکھتا ہے اس لئے اس سے متعلقہ مضامین بھی بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس طرح کے مضامین کی مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ امام غزالیؒ کے تعلیمی نظریات
۲۔ اسلامی اور مغربی نظریات تعلیم کا موازنہ
۳۔ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص
۴۔ معاشرتی اصلاح اور تدوین نصاب وغیرہ

8- تنقیدی مضامین (Critical Essays)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس قسم کے مضامین میں کسی موضوع پر تنقیدی رائے اور خیالات ضبط تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ اگرچہ ہر طرح کے مضامین لکھنے کے لئے مضمون نگار کا وسیع المطالعہ ہونا ضروری ہے لیکن اس قسم کے مضامین میں بالخصوص مضمون نگار کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ اسے زیر نظر موضوع کے ہر ہر پہلو سے مکمل واقفیت ہو اور تصویر کے روشن و تاریک دونوں پہلوؤں سے آگاہ ہو اور موضوع کے پس منظر (Background) سے پوری طرح آگاہ ہو۔ تنقید کے اصول و ضوابط سے واقفیت حاصل ہو اور تنقید کرتے وقت توازن کی راہ سے بالکل بھی نہ ہٹے۔ ایسے مضامین کی مثالیں یہ ہیں۔ نظم آزاد کا اردو ادب میں مقام' ہمارا نظام حکومت' کیا عورت واقعی آدمی ہے؟ وغیرہ۔

ان اقسام کے علاوہ مضمون کی موضوع کے لحاظ سے اور بھی اقسام بیان کی جاتی ہیں جو یہ ہیں۔

مذہبی مضامین' تاثراتی مضامین' تخیلاتی مضامین' سیاسی مضامین' اصلاحی مضامین اور مزاحیہ مضامین وغیرہ۔

مضمون کی ساخت

ڈاکٹر بشیر سیفی مضمون کی ساخت کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں۔

"مضمون میں عموماً" ایک تمہید ہوتی ہے۔ جس میں موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ پھر اس کی خوبیاں یا خامیاں دلائل کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں اور آخر میں نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔"

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے ظاہر ہے بنیادی طور پر مضمون کے مندرجہ ذیل تین اجزاء ہوتے ہیں۔

1- تمہید

تمہید کا مطلب ہے تیاری۔ "فیروز اللغات" کے مطابق تمہید کا مطلب ہے کہ بستر بچھانا' ہموار کرنا' تیاری کرنا وغیرہ۔ تمہید کا ایک مطلب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ گھوڑے پر زین رکھنا' سفر کی تیاری کرنا—— بہرحال تمہید کے ان دونوں معانی سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ تمہید کا مطلب آغاز اور تیاری ہے۔ چنانچہ مضمون لکھتے وقت سب سے پہلے مضمون کے عنوان کا تعارف کروانا تمہید کہلاتا ہے۔ تمہید کا مدعا یہ ہے کہ ان واضح خیالات کے لئے جگہ ہموار کی جائے جو اصل میں آپ کسی عنوان کے تحت کہنا چاہتے ہیں۔ انگریزی کا یہ مشہور مقولہ تو آپ نے سنا ہی ہو گا کہ

"First Impression is The Last Impression."

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ حصہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس حصے میں جو تاثر آپ قاری کے ذہن پر قائم کر لیں گے وہ حرف آخر تک اس کے ذہن میں قائم رہے گا۔ اچھے مضمون کے لئے' اچھی تمہید بمنزلۂ زینہ ہے۔ ایک مختصر مگر دلکش تمہید مضمون کی جان ہے۔ اس حصے کی خوبصورتی مضمون کے کسی دوسرے حصے میں پائی جانے والی چھوٹی موٹی خرابی کو چھپا سکتی ہے۔

مگر اس حصے میں اگر کجی رہ جائے تو وہ مضمون میں بیان کردہ خوبصورت بلکہ خوبصورت ترین خیالات اور دلائل کو غیر مؤثر کر سکتی ہے۔ تمہید کی خوبصورتی اور دلکشی کا راز یہ ہے کہ مختصر مگر جامع ہو۔ اس میں ایسی کشش ہو کہ محض ورق گردانی

کرتے ہوئے دو لفظ پڑھ لینے والا شخص بھی پورا مضمون پڑھنے پر مجبور ہو جائے۔

مضمون کا آغاز نہایت قدرتی انداز میں ہونا چاہیے اور اس میں صرف وہی باتیں درج ہونی چاہئیں جو فقط تعارف ہوں' تفصیل نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ تمہید میں بیان کردہ باتیں شک و شبہ سے بالا ہوں۔ متنازع باتوں سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ اول اول یہ رواج عام تھا کہ تمہید کا آغاز کسی نہ کسی شعر سے کیا جاتا تھا۔ آج کل بھی ایسا ہوتا ہے۔ اگر شعر مضمون کے عنوان اور اس کی روح سے مکمل مطابقت رکھتا ہو اور بالکل ابتداء میں اس کا بیان خوبصورت معلوم ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ بالکل بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر مضمون کا آغاز ضرور شعر سے ہی کیا جائے۔ فقط اتنا خیال رہے کہ تکلف' بناوٹ اور فرسودگی کی روش اپنانے سے گریز کیا جائے اور جس قدر ممکن ہو ابتدائی حصے کو جاندار اور پرکشش بنایا جائے۔ مضمون کو نکات (Points) کی صورت میں لکھنا اچھی بات ہے۔ لیکن یاد رہے کہ تمہید سادہ ہونی چاہئے اور اسے نکات (Points) کی صورت میں نہیں لکھا جاتا۔

2- نفس مضمون

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے نفس مضمون' مضمون کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسے "متن" بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد مضمون کا وہ درمیانی حصہ ہے جس میں مضمون کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔ یہ حصہ مضمون کی جان ہے۔ اس میں خیالات بہت ہی مترتب اور جامع ہونے چاہئیں۔ اس حصے میں موضوع پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے اور اپنی رائے کے حق میں دلائل دیئے جاتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر تمہید کی صورت میں آپ نے مضمون کا جو خاکہ (Sketch) بنایا تھا' اس میں اب آپ رنگ بھر رہے ہیں۔ اپنی تصویر کو خوبصورت بنانے کے لئے خوبصورت رنگوں یعنی عمدہ الفاظ کا استعمال کیجئے۔ لیکن بہت زیادہ ثقیل' بھاری اور درباری قسم کے الفاظ جو آپ کی تحریر کو بوجھل بنا دیں' ان سے گریز لازمی ہے۔ خیالات ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہوں۔ الفاظ کے بیان کا انداز قدرتی (Natural) اور رواں ہو۔ اس حصے میں' اگر مناسب ہو تو اپنی سہولت' بات کی وضاحت اور مضمون میں

دلکشی پیدا کرنے کی خاطر خیالات کو نکات (Points) کی صورت میں بھی لکھ سکتے ہیں۔ ہر نکتے کو مزید واضح کرنے کے لئے سرخیاں (Headings) بھی دی جا سکتی ہیں۔ سرخیوں کو عام تحریر سے نمایاں لکھا جانا چاہئے' سرخی ایسی بنائیں کہ وہ بیان کردہ خیالات سے ہم آہنگ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ سرخی آپ کچھ لکھیں اور اس کے نیچے آپ دوسری کہانی چھیڑ بیٹھیں۔

مضمون کا یہ حصہ اپنے اندر عنوان سے متعلق تمام ضروری تفاصیل لئے ہوئے ہونا چاہئے۔ اپنے نکتہ نظر کے حق میں تمام دلائل و براہین اسی حصے میں درج کئے جائیں گے۔ اگر مناسب اور موزوں ہو تو عمدہ اشعار' محاورات' دلپذیر جملوں' پراثر اقوال' ٹھوس حوالہ جات اور تشبیہات وغیرہ سے نفس مضمون کو آراستہ کیجئے۔ پوری عبارت مناسب لمبائی کے پیراگرافوں پر مشتمل ہو۔ ہر پیراگراف ایک جداگانہ خیال کے لئے وقف ہو۔ البتہ پیراگرافوں میں بیان کئے گئے خیالات ایک دوسرے سے مربوط ہوں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی خیال' دلیل' فقرہ' شعر' محاورہ' ترکیب یا پیراگراف بلاوجہ دہرایا نہ جائے۔ تکرار نفس مضمون کو کمزور اور پھیکا بناتی ہے اس سے مقدور بھر احتراز لازم ہے۔

اختتام

اختتام مضمون کا آخری حصہ ہے۔ اسے خلاصہ کلام بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس حصے میں مضمون کے پھیلے ہوئے مباحث کو ایک مئوثر اور معنی خیز انجام کی طرف لایا جاتا ہے۔ گویا کہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا کام کیا جاتا ہے۔ نفس مضمون میں پیش کی گئی تمام باتوں اور تمام پہلوؤں کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ تمہید کی طرح' اس حصے کی دلکشی کا راز بھی اختصار مگر جامعیت میں ہے۔ وہ جو شہد کی مکھیاں ایک ایک پھول سے بوند بوند رس چوس کر نجانے کتنی بوندوں سے ایک قطرہ شہد تیار کرتی ہیں' اسی کے مصداق مضمون کے تمام نکات کا جوہر اس اختتامی حصے میں آشکار ہونا چاہئے۔ اگر نفس مضمون میں کوئی بات ضبط تحریر میں آنے سے رہ گئی ہو تو اختتام اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔ اختتام ہی وہ حصہ ہے جسے پڑھنے کے بعد ممتحن یا منصف کے قلم سے نمبر اور

عام قاری کے دل سے داد و تحسین کے کلمات نکلیں گے چنانچہ لازم ہے کہ اپنی فنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال اس حصے میں کیا جائے۔

مضمون نویسی کے لئے لازمی شرائط

کسی بھی فن کو سیکھنے اور جاننے کے لئے چند شرائط کا پورا ہونا لازمی ہے۔ آپ ان شرائط کو اس فن کے بنیادی و لازمی اجزاء بھی کہہ سکتے ہیں۔ "مضمون نویسی" بھی ایک فن ہے اور ایک اچھا مضمون لکھنے کے لئے کچھ شرائط ضروری ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1- عنوان یا موضوع (Topic)

بکھرے ہوئے ہیں سینکڑوں مضمون جابجا
سڑکوں سے چن کے کاغذی ٹکڑے پڑھا کرو

مضمون نویسی کے لئے موضوع یا عنوان کا ہونا ایک لازمی شرط ہے۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ مضمون نویسی کے مقابلہ جات یا امتحانی پرچوں میں مضمون نویسی کے لئے ایک عنوان یا ایک سے زیادہ عنوانات دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر مضمون نگار اپنی مرضی سے کسی اہم موضوع پر قلم اٹھانا چاہے تو وہ ازخود عنوان قائم کر سکتا ہے۔ امتحانی پرچے میں مضمون نویسی کے لئے تین سے پانچ تک عنوانات دیئے جاتے ہیں اور طالب علم کو اپنی پسند کے کسی ایک عنوان پر مضمون لکھنے کو کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں طلباء یاد رکھیں کہ عنوان کا انتخاب انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ خواہ چند منٹ اس غورو فکر پر صرف کرنے پڑیں کہ کس موضوع پر لکھا جائے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مضمون کے انتخاب کے سلسلے میں انتہائی سوچ و بچار اور سوجھ بوجھ سے کام لیا جانا ضروری ہے۔

یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ صحیح عنوان کا انتخاب ہی آپ کے اچھے مضمون کا نقطہ آغاز بلکہ بنیاد ہے۔ ایسا موضوع منتخب کیجئے جس کے بارے میں آپ کے پاس زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر معلومات ہوں۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیئے گئے چار پانچ عنوانات میں سے کسی دو تین عنوانات کے بارے میں مضمون نگار کے پاس کافی معلومات ہوتی ہیں اور یوں ایک سے زیادہ عنوانات پر لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایسے میں مضمون نگار فیصلہ نہیں کرپاتا کہ کس

عنوان پر لکھے اور کس کو چھوڑے۔ یہ صورتحال (خاص طور پر امتحان میں بیٹھے ہوئے طالب علم کے لئے) انتہائی خطرناک ہے۔ تھوڑی دیر سوچ لینے کے بعد فیصلہ کیجئے اور جب آپ فیصلہ کر چکیں تو آپ کی توجہ باقی تمام عنوانات سے یکسر ہٹ جانی چاہئے۔ باقی عنوانات کے بارے میں اب بالکل بھی نہ سوچیں اور اپنی ساری توجہ کو منتخب شدہ عنوان اور اس کے مختلف پہلوؤں پر مرکوز کر دیں۔

یہ بات بارد گر یاد رکھ لی جائے کہ عنوان کا نفس مضمون سے مربوط و منسلک (Inter-Related) ہونا ازحد ضروری ہے۔

2- مضمون کا خاکہ (Outline or Sketch)

جو عنوان بھی آپ نے منتخب کیا ہے اس کے بارے میں اپنی معلومات کو ترتیب دیں۔ اس بات پر غور فرمائیں کہ کون سا خیال کون سی دلیل' کون سا نکتہ (Point) پہلے آنا چاہئے اور کون سا بعد میں یہی ترتیب' یہی لائحہ عمل' مضمون کا خاکہ (Sketch) کہلاتا ہے خاکہ عام طور پر کاغذ پر لکھ کر ہی بنایا جاتا ہے۔ لیکن یہ ترتیب اور لائحہ عمل ذہن میں بھی تیار کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر اس کے مطابق مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن بہتر یہی ہو گا کہ خاکہ پہلے رف عمل کے طور پر کاغذ پر لکھ لیا جائے۔ اس سے یہ ہو گا کہ کسی اہم نکتے کے چھوٹ جانے کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔ خاکہ مختصر ہو لیکن مضمون کے ہر پہلو کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو۔ خاکہ لکھ لینے کے بعد' دوبارہ سے پڑھ لیا جائے تو اس سے کسی غیر ضروری نکتے کو نکال دینے اور کسی اہم نکتے کو شامل کر لینے کا موقع مل جائے گا۔

یاد رکھئے! خاکہ ہی سارے مضمون کا نچوڑ ہے۔ یہ مضمون کا مغز ہے اور سارے کا سارا مضمون اسی پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے (Control Mechanism) بھی کہا جا سکتا ہے۔

3- مضمون کا تعارف یا تمہید (Introduction)

تمہید کے بارے میں پچھلے صفحات میں تفصیلاً" عرض کیا جا چکا ہے یہ بات خصوصی طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمہید مضمون کی نہ صرف لازمی شرط ہے بلکہ

اچھی تمہید اچھے مضمون کا پیش خیمہ بھی ہے۔ تمہید یا تعارف کے بغیر آپ سیدھا (Direct) دلائل و براہین اور نفس مضمون پر نہیں جا سکتے اور اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اپنے قاری پر اچھا تاثر قائم کرنے میں ناکام رہیں گے۔

4- صحت زبان

مضمون نگاری کے لئے "زبان" پر صحیح عبور ضروری ہے۔ مضمون لکھتے وقت الفاظ کے استعمال اور زبان کی صحت کا بخوبی خیال رکھا جانا چاہئے۔ زبان نہایت سادہ' شستہ اور پر مغز ہونی چاہئے۔ روزمرہ اور محاورہ کا استعمال' صحیح انداز سے کیا جانا چاہئے۔ زبان پر صحیح عبور حاصل کرنے کے لئے اردو گرائمر سے واقفیت کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اردو ادب کا مطالعہ کیجئے۔ اچھے اچھے ادباء کی کتابوں کے مطالعہ سے آپ کو الفاظ کے صحیح استعمال کا علم حاصل ہو گا خاص طور پر اردو کے کلاسیکی ادب کے مطالعہ کے بغیر آپ صحیح زبان پر عبور حاصل کرنے سے قاصر رہیں گے۔

5- فن مضمون نویسی سے واقفیت

کسی بھی کام کو بہتر انداز میں کرنے کے لئے اس سے متعلقہ فن سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ کیونکہ فن میں مہارت ہو تو شے کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ کسی کا کیا ہی عمدہ قول ہے۔

Art is a beauty and beauty is an art.

"فن ایک خوبصورتی ہے اور خوبصورتی ایک فن ہے"

اب اگر یہ سمجھنا ہو کہ فن کیا شے ہے تو اس کے لئے ڈاکٹر سید عبداللہ فرماتے ہیں کہ "کسی معنی یا تجربے یا مضمون کو حسین انداز میں پیش کرنا آرٹ یا فن ہے"۔۔۔۔ کسی انگریز عالم کا قول ہے۔

Art is a way of saying a thing.

فن مضمون نویسی سے واقفیت کے لئے مضامین کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ تحریر کی زیادہ سے زیادہ مشق مفید رہے گی۔ نئے نئے عنوانات تلاش کیجئے۔ پھر ان عنوانات

کے تحت مضامین قلمبند کیجئے۔ اردو ادب کے اساتذہ سے راہنمائی لیجئے' اپنے مضامین کی اصلاح کروایئے۔ بار بار کی مشق سے آپ دیکھیں گے کہ ہر قسم کے عنوان پر آپ آسانی سے مضمون لکھنے کے قابل ہو جائیں گے۔

مضمون نویسی کے چند راہنما اصول

ہر خوبصورت شے کسی نہ کسی اصول کے تحت تخلیق پاتی ہے مضمون کو ایک خاص معیار پر لانے' اسے عمدہ' دلنشین' پراثر اور خوبصورت طرز تحریر میں لانے کے لئے مندرجہ ذیل راہنما اصولوں پر عمل کرنا مفید اور سود مند ثابت ہو گا۔

1- **اصول استناد** (Principle of Correctness)

مضمون لکھنے اور مواد اکٹھا کرنے کے اس اصول سے مراد یہ ہے کہ مضمون میں فراہم کردہ تمام معلومات مستند اور صحیح ہوں ان میں کسی قسم کا ابہام' غلطی یا جھوٹ نہیں ہونا چاہئے۔ ایک طالب علم کو چاہئے کہ وہ وسیع المطالعہ ہو اور اپنی معلومات میں وسعت اور درستگی رکھے۔ کیونکہ امتحانی کمرہ میں معلومات کے صحیح یا غلط ہونے کی سند حاصل کرنے کا موقع ظاہر ہے کہ بالکل نہیں ہوتا۔ بہرحال عام طور پر مضمون لکھتے وقت معلومات کا حتی المقدور صحیح ہونا لازم ہے۔

خاص طور پر تاریخی اور دینی مضامین کے سلسلہ میں معلومات کی سند انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ تواریخ کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ چھوٹی سطح پر مضمون لکھنے والے طلباء جب قائداعظمؒ' علامہ اقبالؒ یا اسی طرح کی دوسری شخصیات پر مضمون لکھتے ہیں تو اکثر ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کو آپس میں گڈمڈ کر جاتے ہیں۔

اگر آپ اپنی تحریر کو خوبصورت بنانے کے لئے شعر کا اضافہ کرنا چاہیں تو اس کے لئے یہ یقین ہونا ضروری ہے کہ شعر اسی طرح ہے جس طرح آپ اسے تحریر کر رہے ہیں۔ یہی بات' قدرے زیادہ اہتمام کے ساتھ' قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبویہ ﷺ وغیرہ کا حوالہ لکھتے وقت ملحوظ خاطر رکھی جانی چاہئے۔ آپ پر فرض ہے کہ زیر' زبر کے بارے میں بھی شک ہو تو تحقیق اور تصدیق کر لیں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی خامیاں مضمون کو پھیکا اور بے وزن کر دیتی ہیں۔ چنانچہ سورتوں اور احادیث کے حوالہ جات' اشعار' شعراء کے نام' تواریخ' واقعات حقائق اور معلومات کے بارے میں تصدیق اور سند انتہائی اہم ہے۔ اور ان کا مناسب حد تک خیال رکھا جانا چاہئے۔

2- اصول جامعیت (Principle of Comprehensiveness)

جامعیت سے مراد یہ ہے کہ مضمون ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہو۔ کوئی اہم نکتہ (Point) جو موضوع سے متعلق ہو' وہ رہ نہ جائے اور اسی طرح ہر نکتے کی مناسب حد تک تشریح و تفصیل بیان کی گئی ہو۔ اصول جامعیت سے مراد یہ ہے کہ مضمون کسی طرح سے تشنہ نہ رہ جائے۔ موضوع کا ہر لحاظ سے' ہر زاویئے سے صحیح اور جامع احاطہ کیا گیا ہو۔ جامعیت سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ غیر ضروری تفاصیل کو شامل مضمون کیا جائے یا غیر مناسب اور فضول الفاظ لکھ لکھ کر صفحات کالے کر دیئے جائیں بلکہ اس اصول کا مدعا یہ ہے کہ غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرتے ہوئے' تمام ضروری معلومات پوری تشریح کے ساتھ شامل مضمون کر دی جائیں۔ تاکہ مضمون پڑھنے کے بعد قارئین کو اس سے وافر معلومات مل سکیں۔

3- اصول ربط (Principle of Relevance)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مضمون میں بیان کردہ معلومات کا عنوان سے گہرا تعلق ہونا ضروری ہے اور دوسری بات یہ کہ مضمون میں بیان کردہ تمام خیالات ایک دوسرے سے باہم مربوط ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک خیال' دوسرے خیال کی تردید یا نفی کر رہا ہو۔ اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک پیراگراف دوسرے پیراگراف سے مربوط و منسلک ہو۔ مجموعی طور پر مضمون کا ربط نہ ٹوٹنے پائے اور اس میں ایک تسلسل (Continuity) کی سی کیفیت نظر آئے۔ یہ بات بھی خصوصاً" یاد رکھی جانی چاہئے کہ پیراگراف کے جو ذیلی عنوانات (Sub-Headings) قائم کئے جائیں وہ بھی پیراگراف کے مرکزی خیال سے مناسبت رکھتے ہوں' آیات' احادیث' اشعار' اقوال' محاورات' جو کچھ بھی آپ لکھیں وہ آپ کے مضمون' موضوع اور بقیہ تحریر سے اس قدر مربوط ہوں کہ اگر درمیان میں سے ان کو نکالنے کی کوشش کی جائے تو ایک خلا سا محسوس ہو اور مضمون اس کے بغیر نامکمل اور ادھورا دکھائی دے۔ اس حد تک موزوں اور مناسب چیز ہو تو لکھئے ورنہ غیر موزوں اور نامناسب چیز لکھنے سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

4 - اصول تدریج (Principle of Gradation)

تدریج کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع کر کے بڑی چیزوں کی طرف چلا جائے۔

اصول تدریج کو ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

آسان سے مشکل کی طرف — From easy to difficult.

معلوم سے نامعلوم کی طرف — From known to unknown.

دلچسپ سے غیر دلچسپ کی طرف — From interesting to complex.

اس اصول پر عمل کرنے سے یہ ہو گا کہ آپ کا مضمون ایک خوبصورت انداز تحریر میں آ جائے گا۔ اور قاری کو زیادہ دلچسپ اور قابل توجہ لگے گا۔ قاری کی دلچسپی آخری وقت تک برقرار رہے گی۔ شروع میں ہی بڑے بڑے دقیق' پیچیدہ اور مشکل خیالات و دلائل بیان کر دینے سے بوریت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور خدشہ ہے کہ مضمون مقالے کی طرح خشک اور غیر دلچسپ شکل اختیار کر لے گا۔

5 - اصول ترتیب (Principle of Arrangement)

یہ اصول' اصول تدریج کے قریب قریب ہے لیکن اس سے قدرے مختلف بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معلومات کو ایک حسن ترتیب سے پیش کیا جائے کہ اس کا مجموعی تاثر (Overall Impression) اچھا پڑے۔ معلومات' خیالات اور دلائل بکھرے ہوئے اور منتشر (At Sixes And Sevens) نہ ہوں۔ بلکہ موزوں' مناسب اور پراثر انداز میں ترتیب دیئے گئے ہوں۔ اچھے اور معیاری' قابل توجہ خیالات و دلائل کو ترتیب وار شروع میں لے آیا جائے۔ درمیان میں کچھ متوسط اور نسبتاً ہلکے دلائل اور خیالات جبکہ بالکل اختتامی مرحلے پر پھر مضبوط' عمدہ اور معیاری دلائل و خیالات ہوں۔

کیونکہ مضمون کا ابتدائی اور آخری —— دونوں حصے خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ پہلے حصے نے قاری کو متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ آخری حصے نے قاری کے ذہن پر حتمی اثرات چھوڑنا ہوتے ہیں چنانچہ ان دو حصوں کو خصوصی طور پر دلکش اور مدلل بنانے کی ضرورت ہے۔

6- اصول توازن (Principle of Ballance)

اصول توازن صرف مضمون کے سلسلہ میں ہی نہیں زندگی کے ہر شعبے میں خوبصورتی اور دلکشی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رائے اور خیالات کے اظہار میں ہمیشہ متوازن' مناسب' اعتدال پسند اور درمیانہ رویہ اپنایا جائے۔ یک رخاپن' شدت' انتہا پسندی' وفور جذبات اور یک طرفگی (One Sidedness) آپ کے مضمون کو کمزور کر دے گی۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایک نکتے اور خیال پر تو آپ ڈھیروں صفحات لکھ ڈالیں اور باقی اہم نکات زیر بحث ہی نہ لائیں۔ اس کے مقابلہ میں ہر نکتے' ہر خیال کو حتی المقدور مساوی اہمیت دیجئے اور متوازن اسلوب اختیار کیجئے۔

7- مدعا نویسی (To The Point)

میرے نزدیک کسی بھی اچھے مضمون کے لئے "مدعا نویسی" اہم ترین اصول ہے۔ مدعا نویسی کا مطلب یہ ہے کہ موضوع' عنوان یا نفس مضمون سے ہٹ کر کوئی بات بھی لکھنے سے احتراز کیا جائے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ مقابلہ جات میں حصہ لینے والے طالب علم بڑے لمبے لمبے مضامین لکھ کر بھیجتے ہیں۔ یہی حال امتحانی پرچوں میں مضمون لکھنے والے طلبہ کا ہے۔ امتحانات میں طلبہ صفحات کے صفحات مضمون پر صرف کر دیتے ہیں۔ موضوع اور نفس مضمون سے متعلق ایک بات نہیں ہوتی۔ نتیجہ معلوم' وہ کہتے ہیں "نمبر نہیں ملتے" نمبر کیسے ملیں؟ "علامہ اقبال" کی شاعری" کے موضوع پر مضمون لکھتے ہوئے حضرت اقبال" کا شجرہ نسب' پیدائش' تعلیم' وکالت اور وفات' الغرض سب کچھ لکھا جائے گا۔ نہیں لکھا جائے گا تو شاعری پر نہیں کہ جو اصل عنوان اور موضوع ہے۔۔۔۔ نمبر کیسے ملیں گے؟

کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ دوسری کوئی بات بھی نہ لکھیں۔ لکھیں ضرور لکھیں۔ لیکن وہ موضوع سے مطابقت رکھتی ہو' موضوع کے ہی گرد گھومتی ہو۔ اس بات کو ایک خوبصورت مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔

دیکھئے! ایک جانور ہے جس کے گلے میں رسی ڈال کر اسے ایک کھونٹے سے باندھا گیا ہے۔ اب جس قدر اس کی رسی دراز ہے اتنے علاقے یا رقبے میں تو وہ اپنی

مرضی سے ادھر ادھر آ جا سکتا ہے لیکن رسی کی لمبائی سے زائد باہر نہیں جا سکتا---
یہی حال ایک اچھے مضمون نگار کا ہونا چاہئے۔ وہ اپنے مضمون کے دائرہ کار (Range)
کے اندر اندر تمام معلومات فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ البتہ عنوان سے مطابقت
نہ رکھنے والی دوسری تمام باتوں سے گریز لازم ہے۔

الفاظ کا چناؤ

الفاظ بہت بڑی طاقت ہیں۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ الفاظ سے جملے' جملوں سے پیراگراف اور پیراگرافوں سے مضمون بنتے ہیں۔ چنانچہ ہم الفاظ کو مضمون ہی نہیں' کسی بھی تحریر کی بنیادی اکائی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اچھے الفاظ کا انتخاب اور موزوں الفاظ کا موزوں جگہ پر استعمال ہی لکھنے والے کی اصل کامیابی ہے۔ اسی لئے جناب واصف علی واصف اپنی ایک خوبصورت تحریر میں رقم طراز ہیں۔

"انسان کو بیان کی دولت سے نوازا گیا ہے اور بیان الفاظ کی ترتیب کا نام ہے۔ انداز بیان بے شک انسان کا ہی ہے لیکن خوبی دراصل الفاظ کی ساخت میں پنہاں ہوتی ہے۔ موزوں الفاظ کا انتخاب ہی انسان کو صاحب طرز بناتا ہے۔ سنگ تراش کا فن یہ ہے کہ وہ پتھر میں چھپے ہوئے نقش کو اجاگر کرتا ہے۔ اسی طرح الفاظ سے مضمون اور مضامین سے الفاظ کے رشتوں کا علم ہی انسان کو مصنف بناتا ہے۔"

لکھنے والے کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ اس کے الفاظ قاری یا سامع کے دل پر کیا اثر کریں گے تو پھر غلط الفاظ کا استعمال ہو گا ہی نہیں اور انسان الفاظ کے استعمال میں احتیاط کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ الفاظ کے استعمال میں احتیاط کی ضرورت کو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ان کو دل میں سنبھال کر رکھو
ان کو سوچو بہت قرینے سے
چند سانسوں سے ٹوٹ جاتے ہیں
لفظ نازک ہیں آبگینوں سے

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ بھی جب اعلی تعلیم کے لئے عازم سفر ہونے لگے۔ تو اپنے مرشد حضرت محبوب الٰہیؒ کے دربار پر حاضر ہوئے اور "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک خوبصورت نظم لکھی۔ اس دعائیہ نظم میں حضرت اقبالؒ نے الفاظ کے ہی صحیح استعمال کا قرینہ سیکھنے کی خواہش کی ہے۔

؎ میری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

الفاظ کی طاقت کو ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ مرحوم نے بڑے خوبصورت انداز میں اپنی کتاب "من کی دنیا" میں یوں بیان فرمایا ہے۔

"ہر لفظ توانائی کا ایک یونٹ یا ایٹم ہے جسے اندرونی جذبات کی بجلیاں برقاتی ہیں اور اس کے اثرات اس عالم خاکی (جسم) اور عالم لطیف (روح) دونوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ اس کی ایک ہلکی سی مثال گالی ہے۔ گالی کسی تلوار یا توپ کا نام نہیں بلکہ یہ چند الفاظ کا مجموعہ ہے۔ لیکن منہ سے نکلتے ہی مخاطب کے تن بدن میں آگ لگا دیتی ہے۔ یہ آگ کہاں سے آئی؟ الفاظ کے اس مجموعہ سے ---- دوسری طرف ہماری داد ایک شاعر کے چہرے کو چمکا دیتی ہے۔ ہماری شاباش سے ایک طالب علم کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے ہمارے چند کلمات تسکین سے مریض افاقہ محسوس کرنے لگتا ہے۔"

ان تمام حوالہ جات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی تحریر لکھتے وقت بلکہ عام زندگی میں بولتے وقت بھی الفاظ کا موزوں استعمال ہی آپ کی عمدہ شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ اپنے مضمون کے لئے معیاری، بامقصد، واضح، آسان، دلکش اور پراثر الفاظ کا انتخاب کیجئے۔ یعنی وہ جو کہتے ہیں کہ الفاظ دل سے نکلیں اور دل میں جا بسیں، اس طرح کی کیفیت ہونی چاہیے۔ واصف علی واصف فرماتے ہیں۔

"الفاظ کے صحیح استعمال کی توفیق نعمت ہے۔ یہ نعمت بھی کم انسانوں کو نصیب ہوتی ہے۔ الفاظ سے ماحول کو خوشگوار بنانے کا کام لیا جائے تو بڑی بات ہے۔ خالی الفاظ نگلنے اور الفاظ اگلنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ الفاظ سے ماحول روشن کیا جائے۔ الفاظ سے دلوں کو خوش کیا جائے الفاظ سے تعمیر ملت کے عظیم کام میں شامل ہونے کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔ الفاظ حقیقت ہیں، دولت ہیں، امانت ہیں اور طاقت ہیں۔ انہیں ضائع نہ کیا جائے۔ انہیں رائیگاں نہ ہونے دیا جائے۔"

انہیں بزرگ باصفا کا شعر ہے۔

؎ بول حرف مدعا، تقریر طولانی نہ کر
قیمتی الفاظ کی اس درجہ ارزانی نہ کر

(شب چراغ)

اس کتاب کے قارئین سے میری گزارش ہے کہ وہ جب بھی قلم اپنے ہاتھ میں لیں اور کوئی بھی تحریر لکھنا شروع کریں' سادہ الفاظ اور آسان زبان استعمال کریں۔

آپ کا قاری آپ سے کوئی اثر اسی وقت قبول کرے گا جب آپ کی بات سمجھے گا چنانچہ آسان الفاظ کے ذریعے اپنی بات پہنچائیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مشکل اور دقیق الفاظ کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا۔ یہ تاثر غلط ہے۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ فرماتے ہیں۔

"اردو ادب میں ہر قسم کے خیالات سادگی سے ادا کئے جا سکتے ہیں۔"

اصل بات یہ ہے کہ الفاظ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے اپنی بات کو قاری تک پہنچایا جائے۔ مشکل اور دقیق الفاظ سے یہ ہو گا کہ آپ کی بات' آپ کا مدعا تو قاری تک نہیں پہنچ سکے گا۔ البتہ وہ الفاظ کے معانی و مطالب کے چکروں میں گم ہو کر رہ جائے گا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص راستے کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر اپنی منزل کھو بیٹھے۔ چنانچہ آپ اپنے قارئین کو معانی و مفاہیم کی منزل تک پہنچائیں اور الفاظ کے گورکھ دھندوں میں نہ الجھنے دیں۔

اچھے مضمون کی خصوصیات ---- اعادہ

مضمون نویسی کو جاننے اور بہتر انداز میں اپنانے کے سلسلہ میں چند گزارشات پچھلے صفحات میں پیش کی گئی ہیں۔ اعادہ کے طور پر عرض ہے کہ ایک اچھے مضمون میں درج ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں۔

1 - ادبیت اور خوبصورتی کے ساتھ ساتھ سلاست' روانی اور وضاحت بے حد ضروری ہیں۔

2 - ایک اچھا مضمون اختصارو جامعیت کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔ یعنی "بار خاطر ب جانے والے طول اور اظہار بیان سے قاصر رہ جانے والے اختصار' ہر دو سے مبرا ہونا چاہئے۔"

3 - مضمون میں مقصدیت اور حقیقت پسندی کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہئے۔

4 - مضمون اپنے اندر تحقیق مواد' عالمانہ وقار' سنجیدہ و باربط واقعات اور موزوں دلائل لئے ہوئے ہونا چاہئے۔

5 - بے جا تنقید سے پرہیز بھی بے حد ضروری ہے۔ اگر کہیں تنقید ضروری ہو تو سخت اور درشت الفاظ سے اجتناب لازم ہے۔

6 - میرے نزدیک مضمون میں قومی و ملی جذبات کی پاسداری کا خیال بھی رکھا جانا چاہئے ہمیں چاہئے کہ اپنے قلم کو اسلام اور پاکستان کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ مضمون نگار کا کوئی لفظ' کوئی جملہ قومی و ملی جذبات کو مجروح کرنے والا نہ ہو۔

7 - اسی طرح متنازعہ اور متشدد باتوں سے پرہیز بے حد ضروری ہے۔ کسی کے مذہب و مسلک یا فرقے پر بے جا حملہ کرنے اور کسی کو تکلیف پہنچانا مضمون نگار کو زیب نہیں دیتا۔

8 - ایک اچھا مضمون' اخلاق آموزی اور اصلاح احوال کا باعث بنتا ہے۔ یعنی مضمون جیسی اہم صنف کو الفاظ کے ضیاع کی بجائے معاشرتی اصلاح اور تعمیر ملت کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔

9 - اچھے مضمون میں رموز اوقاف اور اعراب کا حتی المقدور خیال رکھا جاتا ہے۔ تاکہ پڑھنے والے کے لئے مطالعہ میں آسانی ہو اور وہ بات کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔

10 - مضمون میں مخففات اور مبہم تراکیب کے استعمال سے پرہیز لازم ہے جان بوجھ کر انگریزی کے الفاظ اور محاورات کا استعمال بھی موزوں نہیں ہے۔

11 - ایک اچھے مضمون کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ وہ مناسب اور معیاری طوالت لئے ہوئے ہوتا ہے۔ نہ بہت لمبا کہ مقالے کی صورت اختیار کرلے اور نہ بہت کم کہ وضاحت سے عاری ہو۔ کچھ لوگ فضول واقعات' غیر ضروری مباحث اور غیر متعلقہ باتیں لکھ کر مضمون کی طوالت میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسا کرنا قاری کو بے زار کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔

12 - مضمون افراط و تفریط سے پاک ہونا چاہئے کسی اہم شے کی قدروقیمت کو بالکل نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی کسی معمولی سی شے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جانا چاہئے ہر شے اپنے مقام پر ہی خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔

مضمون کی پیش کش (Presentation)

مضمون کے لئے بہترین عنوان کا انتخاب کرنے' اس کا خاکہ بنانے اور پھر مضمون لکھ لینے کے بعد آخری اور اہم ترین مرحلہ آتا ہے اسے پیش کرنے کا۔ کمرہ امتحان میں بیٹھے ہوئے طالب علم کے لئے تو فی الواقع ایسا ممکن نہیں ہے کہ وہ پہلے رف مضمون لکھے اور اس کے بعد بڑے اہتمام کے ساتھ اسے صحیح طور پر خوش خط تحریر کرے۔ طلبہ کے لئے تو یہی ہے کہ وہ مضمون کے اہم نکات (یعنی خاکے) کو رف عمل کے طور پر لکھتے جائیں اور پھر ان نکات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ اپنی جواب کاپی پر لکھتے ہوئے ان کی وضاحت کرتے جائیں۔ انہیں نکات کی وضاحت سے اور انہیں پھیلانے سے ان کا مضمون تیار ہو جائے گا۔

البتہ ایسے مضمون نگار جنہوں نے کسی بڑے مقابلہ مضمون نویسی میں حصہ لینا ہو اور وہ کسی اچھی پوزیشن کے متمنی ہوں' ان کے لئے مضمون کو عمدہ اور خوبصورت انداز میں پیش کرنا انتہائی ضروری ہے ـــــ یاد رکھئے! ایک طرف آپ ایک نہایت گندے گلاس میں کسی شخص کو شربت پیش کریں اور دوسری طرف آپ صاف ستھرے گلاس میں سادہ پانی پیش کریں تو ہر ذی عقل آدمی ہمیشہ صاف ستھرے گلاس میں سادہ پانی کو گندے گلاس والے شربت پر ترجیح دے گا۔

چنانچہ اگر آپ مضمون کو اچھے انداز میں پیش کریں گے۔ تو آپ کے کچھ ہلکے اور نسبتاً کم وزنی نکات و دلائل بھی پسند کئے جا سکتے ہیں اس کے مقابلہ میں غیر معیاری انداز میں لکھے گئے اعلیٰ دلائل بھی مضمون کو موثر نہیں بنا سکیں گے۔

ایک دفعہ مضمون لکھ لینے کے بعد حتمی طور پر اسے لکھتے وقت خوش خطی کے ضمن میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا جانا چاہئے۔

1 - سرخیاں (Headings)' ضمنی سرخیاں (Sub-Headings) بالخصوص اور آیات' احادیث' اشعار وغیرہ کو بالعموم عام تحریر سے ممتاز اور نمایاں کر کے لکھا جائے۔

2 - صفحات پر روشنائی کے دھبے نہ لگے ہوئے ہوں' مضمون صاف ستھرا اور سادہ لکھا جائے۔

3 - خیال رہے کہ روشنائی اور قلم کی موٹائی یکساں ہو۔ رموز اوقاف نہ لگانا' الفاظ ملا ملا کر لکھنا اور الفاظ کے درمیان فاصلہ کو بار بار کم یا زیادہ کرنا' تحریر کو بھدا اور ناپسندیدہ بنا دیتا ہے۔

4 - بار بار لکھ کر مٹانا' کاٹنا یا شکستہ و بھدا لکھنا' مضمون کے لئے بے حد نقصان دہ اور غیر مناسب ہے۔

5 - لکھائی سیدھی سطروں میں لکھی ہوئی ہو اور دونوں طرف مناسب حاشیے کا خیال رکھا جانا چاہئے۔

6 - مضمون کو چھوٹے چھوٹے پیراگراف بنا کر لکھا جائے۔ ہر پیراگراف کسی ایک خیال پر مبنی ہونا چاہئے۔

7 - سب سے ضروری اور اہم بات یہ' ہے کہ مضمون لکھ لینے کے بعد اس پر نظرثانی ضرور کی جائے۔ تاکہ اگر کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اسے دور کیا جا سکے یا یہ کہ اگر کہیں کوئی اہم شے احاطہ تحریر میں نہ آ سکی ہو تو اسے شامل مضمون کیا جا سکے۔

کتابیات (Bibliography)

بعض اوقات مضمون نگار سے کہا جاتا ہے کہ اس نے مضمون کی تیاری کے سلسلہ میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے آخر میں ان کا حوالہ بھی لکھا جائے۔ آخر میں کتابوں کے نام بطور حوالہ لکھنے کو اردو میں کتابیات اور کتب نامہ یا انگریزی میں Bibliography کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔

مصنف کا نام: کتاب کا نام: شائع کردہ کمپنی کا نام۔ سال اشاعت۔ کل صفحات

مثالیں:

1- ڈاکٹر غلام جیلانی برق: من کی دنیا۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔ ۱۹۹۴۔ ۲۸۰ ص

2- واصف علی واصف: حرف حرف حقیقت۔ کاشف پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۴۔ ۲۷۲ ص

کتابیات کو لکھنے کا صحیح اور ٹیکنیکل طریقہ تو یہی ہے۔ تعلیم و تحقیق سے منسلک لوگ بالعموم اسی طریقہ کو صحیح مانتے اور استعمال میں لاتے ہیں۔ البتہ عام طور پر کتابوں اور مضامین کے آخر میں کتابوں کی فہرست اس انداز میں بھی لکھ دی جاتی ہے۔

کتاب کا نام	مصنف کا نام	شائع کرنے والی کمپنی کا نام

مثالیں:

کتاب کا نام	مصنف کا نام	شائع کرنے والی کمپنی کا نام
1- حقیقت تصوف	ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	منہاج القرآن پبلیکشنز لاہور
2- استحکام پاکستان	ڈاکٹر اسرار احمد	انجمن خدام القرآن لاہور
3- راجہ گدھ	بانو قدسیہ	سنگ میل پبلشرز لاہور
4- اندلس میں اجنبی	مستنصر حسین تارڑ	سنگ میل پبلشرز لاہور

مضمون نویسی کے لئے چند خاکے

پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا تھا کہ مضمون لکھنے کے لئے اس کا خاکہ تیار کرنا بہت ضروری ہے۔ خاکے کی اس اہمیت کے پیش نظر' قارئین کی راہنمائی کے لئے چند خاکے (Outlines) پیش خدمت ہیں۔ ان کی مدد سے نئے مضامین نگاروں کو بخوبی علم ہو جائے گا کہ مضمون کا خاکہ کیسے لکھا جاتا ہے۔ اس طرح ایک اچھا مضمون احاطہ تحریر میں لانا ممکن ہو سکے گا۔

1- علامہ اقبالؒ ____ ہمارے قومی شاعر

1- تمہید و تعارف (مختصر سوانح)
2- اقبالؒ کی کتب اور شاعری کا تعارف
3- اقبالؒ ___ بحیثیت فلسفی شاعر
4- اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا خواب
5- تصور پاکستان ___ خطبہ الہ آباد
6- اقبالؒ کا شاہین ___ نوجوانوں سے خطاب
7- اقبالؒ کا تصور خودی
8- فلسفہ حرکت و عمل
9- اقبالؒ کا مرد مومن۔ (اخلاقی اوصاف اور جلال و جمال کا پیکر)
10- اتحاد و یگانگت اور مساوات و اخوت کا درس
11- محاکمہ (خلاصہ کلام)

نوٹ : (ہر نکتے (Point) کے مرکزی خیال سے متعلقہ اقبالؒ کے کلام سے اشعار کا انتخاب کیا جائے۔ اور انھیں مناسب مقامات پر سیٹ کیا جائے۔)

2- قائداعظم محمد علی جناحؒ ____ ہمارے عظیم راہنما

1- تمہید و تعارف

2- مختصر سوانح (تاریخ و مقام پیدائش' خاندانی پس منظر' ابتدائی تعلیم وغیرہ)

3- اعلیٰ تعلیم اور وکالت

4- کانگریس اور مسلم لیگ سے تعلق

5- تحریک پاکستان کا آغاز

6- پاکستان--- آپ کے فرمودات کی روشنی میں

7- قیام پاکستان کے لئے شب و روز بے مثال جدوجہد

8- قیام پاکستان--- پہلے گورنر جنرل

9- دیانتدار قیادت--- سچائی اور روشن دماغی

10- انتھک محنت اور گرتی ہوئی صحت--- وفات

11- باکردار اور اصول پرست انسان

12- خلاصہ کلام

؎ یہ اور بات ہے اس پر کوئی چلے نہ چلے
لکیر چھوڑنے والا لکیر چھوڑ گیا

3- سائنس---- رحمت یا زحمت

1- **تمہید** : (سائنس کی تعریف اور سائنسی طریقہ کار کی وضاحت)

2- سائنس رحمت ہے.

1- سائنسی ایجادات (پنکھے۔ اے سی۔ ٹی وی۔ وی سی آر۔ فریج وغیرہ)
2- سائنس نے فاصلوں کو کم کر دیا ہے۔ (جدید ذرائع کی بدولت سالوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر منٹوں میں طے ہوتا ہے۔)
3- ذرائع اطلاعات کی ترقی (ریڈیو' ٹی۔ وی' ٹیلی فون' فیکس وغیرہ)
4- بیماریوں پر قابو / میڈیکل سائنس کی ترقی
5- نئی دنیاؤں کا سفر (خلا' چاند اور دوسرے سیاروں تک رسائی)
6- مستقبل میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے امیدیں۔

ع عروج آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

3- سائنس زحمت ہے

1- امن عالم کو خطرہ (تباہ کن اور مہلک ہتھیار۔ ہیرو شیما اور ناگاساکی کی مثالیں)
2- محبت و اخوت کی کمی

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

3- انسان مشینوں کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔
4- سکون و اطمینان کی کمی--- بے چینی و اضطراب۔

4- **محاکمہ** : (سائنس ازخود نہ رحمت ہے نہ زحمت--- بلکہ اس کا استعمال اچھا یا برا ہے۔ چھری سے سبزی بھی کاٹی جا سکتی ہے اور کسی کا گلا بھی)

4- کھیلوں کی اہمیت

1- تمہید (طلبہ کے لئے ہم نصابی وغیر نصابی سرگرمیوں کی ضرورت)
2- العقل السلیم فی الجسم السلیم۔ صحت مند دماغ، صحت مند جسم میں ہوتا ہے۔
3- جسمانی صحت اور تندرستی کا باعث
4- نظم، ضبط اور تعاون باہمی کا جذبہ
5- فالتو وقت کا اچھا مصرف
6- فرض شناسی، حسن انتظام، استقلال اور تحمل مزاجی۔
7- مقابلہ کرنے اور جیتنے کا جذبہ
8- نشوونما اور بڑھوتری میں مدد
9- منشیات اور دوسری نقصان دہ اور غیر اخلاقی چیزوں سے پرہیز۔
10- ملکی اور بین الاقوامی سطح پر عزت افزائی و شہرت
11- خلاصہ کلام

5- استحکام پاکستان

1- تمہید (تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے مقاصد)
2- دو قومی نظریہ
3- پاکستان کی اساس۔ (پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ)
4- قیام پاکستان کے وقت درپیش مسائل و مشکلات۔
5- بے پناہ مشکلات کے باوجود استحکام و ترقی۔
6- قائد اعظمؒ کے فرمودات (پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا)

7- استحکام پاکستان کو درپیش خطرات

- عدم سیاسی و معاشی استحکام
- دشمنان پاکستان کی طرف سے شدید نظریاتی جنگ
- وسائل کم --- مسائل زیادہ
- صالح اور باکردار قیادت کا فقدان (کھوٹے سکے)
- عدم تحفظ جان و مال' عزت و آبرو (سماجی عدل و انصاف کی کمی)

8- استحکام پاکستان کی شرائط

- عدل و انصاف اور سماجی مساوات کا قیام
- نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست
- معاشی اور سیاسی استحکام
- زیادہ سے زیادہ وسائل کی تلاش اور ان کا صحیح استعمال
- صالح اور باکردار قیادت

6- قیام پاکستان کے اصل مقصد کی طرف فی الفور پیش قدمی (اسلامی نظام کا نفاذ)

6- ٹریفک حادثات اور بچاؤ کی تدابیر

1- تمہید

(سڑکوں پر ہونے والے حادثات اور ان میں روز بروز اضافے کا بیان)

2- حادثات کی وجوہات

1- ٹریفک قوانین سے ناواقفیت

2- آبادی میں بے پناہ اضافہ

3- ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی

4- لاپرواہی' تیزی اور بلا مقصد مقابلہ

5- سڑکوں اور ٹریفک کی دوسری سہولیات کی ناگفتہ بہ حالت

3- حادثات سے بچاؤ کی تدابیر

1- ڈرائیونگ کے تربیتی اداروں کا قیام

2- ٹریفک قوانین سے روشناسی

3- ٹریفک کے نظام میں جدت اور بہتری

4- ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں

5- انسانی جان کی اہمیت اور قدروقیمت سے آگاہی

6- ٹوٹی ہوئی اور خراب سڑکوں کی تعمیر و مرمت

4- خلاصہ کلام

7- اسلامی معاشرہ

1- تمہید و تعارف

2- رسول اکرم ﷺ کا مقصد بعثت ــــ ایک مکمل اسلامی رفاہی ریاست کا قیام

3- اسلامی معاشرے کی خصوصیات

۱- کل بلادستی صرف اور صرف خدائے واحد کی ملکیت

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

۲- عدل اجتماعی ــــ بے انصافی اور ظلم و بربریت کا خاتمہ

۳- انسان کی روحانی، معاشی اور معاشرتی و اخلاقی ترقی

۴- مساوات حقوق و فرائض ــــ یکساں معیار زندگی

۵- عورتوں کے حقوق کا تحفظ

۶- نظام صلوۃ و زکوۃ کا قیام

۷- ترقی اور خوشحالی کے یکساں مواقع

۸- صالح اور باکردار قیادت

۹- نوجوانوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور تعمیر کردار کا انتظام

4- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور خلفائے راشدین کے ادوار سے مثالیں۔

5- خلاصہ بحث

8- بڑھتے ہوئے جرائم کا سدباب

1- تمہید (روز بروز بڑھتے ہوئے جرائم کا تذکرہ)

2- بڑھتے ہوئے جرائم کی وجوہات

○ اضطرابی کیفیات ـــــ گھریلو مسائل
○ بے کاری و بے روزگاری
○ تعلیم کی کمی ـــــ جہالت
○ معاشی تضادات ـــــ حرص زر
○ لاقانونیت اور ناانصافی
○ منشیات کا استعمال
○ بچوں کی ناقص تعلیم و تربیت
○ دینی و اخلاقی تعلیمات سے دوری

3- بڑھتے ہوئے جرائم کا سدباب

○ روزگار اور ترقی کے یکساں مواقع کی فراہمی
○ اچھی تعلیم و تربیت کا اہتمام
○ معاشی فرق و تفاوت کو کم سے کم کرنے کی کوششیں
○ قانون کا نفاذ ـــــ عدل و انصاف کی فراہمی
○ منشیات جیسی لعنت سے نجات
○ اسلامی و اخلاقی تعلیمات کی طرف توجہ

محاکمہ ـــــ خلاصہ کلام

مختلف مقابلہ جات میں انعام یافتہ مضامین

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت محسن انسانیت

؎ یہ کس حسیں کا نام لکھا نوک قلم نے
لفظوں کے اندھیرے سے کرن پھوٹ رہی ہے

کس کی مجال ہے کہ تقاضائے ادب کو خاطر خواہ ملحوظ رکھتے ہوئے توصیف پیغمبرؐ کر سکے۔ دنیا کے بڑے بڑے مفکر' مدبر اور زبان و ادب کے ماہر بھی جب آپؐ کی تعریف کے لئے اپنے لفظوں کو ہیچ اور اپنی قابلیت کو بہت ہی محدود پاتے ہیں تو پھر مجھ سا خطاکار توصیف پیغمبرؐ کا حق کیا ادا کرے گا کہ وہاں تو خود خدائے عظیم مدح سرا ہے۔ اس دربار میں انسان کی بے سروسامانی دیکھئے۔

؎ ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ایست

اور کوئی یوں کہتا ہے کہ

؎ وصف نبیؐ قلم سے رقم کیسے ہو سکے
میرے تخیلات سے اونچی ہے ان کی ذات

اور کچھ خاکساری کی ان حدود کو پہنچتے ہیں کہ

کتھے مہر علی' کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

لیکن اپنی جگہ ان کی توصیف کا شرف کسی فخر سے کم بھی نہیں ہے کہ مدحت رسولؐ درجہ عبادت رکھتی ہے۔ مدحت سرکار مدینہؐ کا منصب اگرچہ انہیں لوگوں کو زیب دیتا ہے۔ جو اس تذکرے میں الفاظ کے گورکھ دھندے سے آزاد ہو کر ایمان کی آنکھ سے واقعات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی غلامی محمدؐ کا فقط ادنی سا دعویدار ہونے کی حیثیت سے "محسن انسانیتؐ" کے عنوان سے مدحت سرکار دو عالمؐ کا شرف حاصل کروں گا۔

یہاں پر سب سے پہلے اگر "محسن انسانیت" کے الفاظ پر غور کر لیا جائے تو فہم و

ادراک کی منزل آسان ہو سکتی ہے۔ لفظ "محسن" کا معنی ہے "احسان کرنے والا" یوں "محسن انسانیت" کا مطلب ہوا "انسانیت پر احسان کرنے والا" چنانچہ اس مضمون میں ہم آپ ؐ کی حیات طیبہ پر اس انداز سے نظر دوڑائیں گے کہ آپ ؐ نے انسانیت پر کون کون سے احسانات فرمائے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم دوسرے راہنمایان عالم کا آپ ؐ کے ساتھ ہلکا سا تقابلی جائزہ بھی لیں گے۔

راہنمایان عالم

تاریخ عالم میں کثرت سے ایسے افراد اور جماعتیں گزری ہیں جنہوں نے خدمت انسان کا فرض ادا کیا ہے اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے۔ ان لوگوں یا ان جماعتوں کی تقسیم ان کے مختلف مکتبہ فکر کی وجہ سے کچھ اس طرح جا سکتی ہے۔

1- سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک سنجیدہ اور باوقار گروہ آتا ہے۔ یہ حکماء اور فلاسفہ کی جماعت ہے ان میں یونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی ہیں اور ہندوستان کے بلند پایہ حکیم بھی۔ حکمت و فلسفہ کے میدان میں ان لوگوں نے یقیناً" انسانیت کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ اور اس کا دامن حکمت کے موتیوں سے بھر دیا ہے۔ لیکن اگر تعصبات اور عقیدت مندی سے آزاد ہو کر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ فلسفہ' زندگی کے لامحدود میدان میں ایک محدود دائرہ ہے۔ یہ حکماء و فلاسفہ اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں اور خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو اسی محدود دائرے کے اندر رہ کر ہی استعمال کرتے رہے ہیں۔ انسانیت کے وہ مسائل جن کو ذرا دیر کے لئے بھی پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا اور جو فوری طور پر حل طلب ہیں ان کو حکماء اور فلاسفہ نے چھیڑ نہ ان سے بحث کی اور نہ ان مسائل کے حل میں انسانیت کی کوئی مدد کی۔ اور اگر کسی نے ایسا کرنے کی سعی کی بھی تو وہ اس قدر مہمل تھی کہ وہ فقط سعی لاحاصل بن کر رہ گئی۔

2- دوسرا گروہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ فاتحین کا ہے جنہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور اپنے زور شمشیر سے قوموں کو تسخیر کیا۔ اس گروہ سے بھی ہم اچھے خاصے مرعوب ہیں ان کی تلواروں کی جھنکار ابھی تک ہمارے کانوں میں آ رہی ہے۔ لیکن یہ امر بھی اظہر من الشمس ہے کہ فاتحین انسانیت کے لئے رحمت سے زیادہ عذاب اور مصیبت کا

موجب بنے ہیں۔

3 - اس سلسلے میں جو تیسری جماعت ہمارے سامنے آتی ہے وہ ادباء و شعراء کی جماعت ہے یقیناً" ادباء نے ہر دور میں انسانی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ لیکن بے ادبی معاف! ادباء و شعراء نے بھی انسانیت کے دکھ کا علاج نہیں کیا۔ انہوں نے ہمارے لئے تفریح کا سامان بہم پہنچایا' ہمارے زبان و ادب کو مالامال کیا۔ لیکن انسانیت کی اصلاح کا درد سر مول نہیں لیا۔ اور نہ ہی یہ ان کے بس کی بات تھی کیونکہ زندگی بنتی اور بگڑتی رہی اور انسانیت گرتی اور سنبھلتی رہی اور یہ اپنے میٹھے میٹھے بول سناتے رہے۔

4 - ایک گروہ ان لوگوں کا آتا ہے جو ملک کے آزاد کرانے والے ہیں۔ اور قومی لیڈر ہیں۔ اس گروہ کا جب نام آتا ہے تو احترام سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ حقیقتاً" انہوں نے اپنے ملک کے لئے بڑا کام کیا مگر اپنے ملک سے باہر بسنے والے انسانوں کے لئے کیا کیا؟ آپ ابراہیم لنکن کی مثال لے لیجئے وہ جدید امریکہ کا معمار ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان' مصرو شام' ایران و عراق اور ان جیسے باقی تمام ممالک کو اس سے کیا فائدہ پہنچا۔ چنانچہ یہ راہنما اپنے اپنے ملکوں کے لئے تو باعث رحمت تھے لیکن ان کی رحمت' ان کا احسان جزو کے لئے تھا کل کے لئے نہیں۔

5 - پانچواں گروہ وہ ہے جو سائنٹسٹ یعنی سائنسدان کہلاتا ہے۔ جس نے نئی نئی ایجادیں کیں اور بہت سی کار آمد چیزیں بنائیں۔ بلاشبہ اس گروہ نے انسانوں کی بڑی خدمت کی ہے بجلی' ہوائی جہاز' ریل اور ریڈیو' ٹی۔ وی' ٹیوب لائٹس اور اسی طرح کی بے شمار چیزیں سائنٹسٹ حضرات کی ہی مرہون منت ہیں۔ مگر ان تمام اشیاء کے ساتھ ساتھ ہم ایٹم بم' ہائیڈروجن بم' کلاشنکوف' میزائل' گولہ بارود اور اسی طرح کی دوسری تمام چیزوں کو بھی نہیں بھلا سکتے جو انہی سائنسدانوں کے "کارہائے نمایاں" ہیں اور انسان کی تباہی بھی۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ سائنسدان طبقہ جتنا انسانیت کے لئے رحمت اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ زحمت ثابت ہوا ہے۔

6 - اب ہمارے سامنے ایک اور گروہ آتا ہے یہ پیغمبروں کا گروہ ہے۔ یہ گروہ ایجادات کا دعوی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے وہ اپنے متعلق مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے نہ بے جا خاکساری سے یہ گروہ دنیا کو اس کی صحیح منزل کی

طرف لے جانے کی سعی کرتا ہے۔ ان کو ان کی بھولی ہوئی منزل یاد دلاتے ہوئے' اس کی طرف جانے والے صحیح راستے کی نشاندہی کرتا ہے۔ خدا سے کیا ہوا وعدہ یاد دلاتا ہے اور انسان کی نجات کا سامان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ گروہ اپنی زندگی کے ذریعے عملی نمونہ پیش کرتا ہے' پھر دنیا کو دعوت عمل دیتا ہے۔ اسی لئے اس گروہ نے انسانیت کے دل و دماغ اور زندگی پر سب سے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

محسن انسانیت ﷺ

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ ﷺ کے بعد

اگر پیدائش آدمؑ کے وقت سے تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزروشن کی طرح عیاں نظر آئے گی کہ تمام انبیاء کرامؑ اور پیغمبرانؑ خدا کی تعلیمات مخصوص قبائل' اقوام' علاقے اور وقت کے لئے محدود تھیں۔ آخر کار دنیا میں ایک ایسی ہستی کا ظہور ہوا جس کی تعلیمات اقوام اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے تھیں۔

احسانات مصطفیٰ

یوں تو پیغمبر ﷺ خدا کے احسانات کا شمار ممکن نہیں کہ آپ ﷺ انسانوں کے لئے ہی نہیں حیوانات' نباتات' جمادات' پرند' چرند الغرض کل مخلوق کائنات کے لئے باعث رحمت ہیں۔ لیکن انسانیت پر آپ ﷺ کے چند احسانات صرف حصول رحمت کے لئے بیان کئے جا رہے ہیں۔

لطف خدائے پاک کی تصویر کھنچ گئی
پھرنے لگے جب آنکھ میں احسان مصطفیٰ ﷺ

(مولانا ظفر علی خاں)

1- معرفت الٰہی

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے دنیا جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گری ہوئی تھی۔ بندے اپنے حقیقی معبود کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کے آگے سجدہ ریز تھے عبادات کے عجیب و غریب طور طریقے رائج تھے۔ لوگ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے خاندان سے کٹ کر دور دراز جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں چھپ جاتے تھے۔ کوئی گوشت نہ کھانے کا عہد کر لیتا کوئی ساری عمر ننگا رہنے کو خدا کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ لیتا۔ کوئی چلتے پانی میں کھڑا رہتا کوئی ہاتھ کھڑا رکھتا تاکہ سوکھ جائے۔ کوئی تارک دنیا ہو کر اور بیوی بچوں سے تعلق قطع کر کے خدا کی محبت کا غلط مدعی بنتا بلکہ کچھ مذاہب میں تو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی یا اپنی اولاد کی قربانی خدا کے حضور پیش کرنے کا رواج تھا۔ عرب میں تین سو ساٹھ (360) معبود جلوہ افروز تھے کوئی بارش کا خدا ہے تو کوئی خوراک کا' کوئی جنگ کا خدا ہے تو کوئی بیٹے دینے والا۔ کوئی روزی رساں ہے تو کوئی حاجت روا۔ پھر ایسے لوگوں کا رشتہ تین سو ساٹھ سے توڑ کر خدائے واحد کے ساتھ جوڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

ضمیر ارض مقدس سے آ رہی تھی صدا
صنم کدوں کو گرا دو کہ آپ ﷺ آئے ہیں

(محمد علی ظہوری)

2- نظام مساوات

اگر ہم پیغمبر ﷺ اسلام کی آمد سے پہلے کے حالات پر طائرانہ نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ انسانیت ذات پات اور برادریوں میں بٹی ہوئی تھی۔ غلامی کا بہت زیادہ رواج تھا۔ غریب لوگوں کو باقاعدہ بیچا اور خریدا جاتا تھا۔ عزت اور شان و شوکت کا معیار کردار و عمل کی بجائے رنگ و نسل تھا۔ لیکن اسلام نے آتے ہی آقا غلام' بادشاہ فقیر' نوکر مالک اور رنگ و نسل کی تمیز ختم کر دی اور پیغمبر رحمت ﷺ نے تمام انسانوں کو برابری کا درجہ عطا فرمایا۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (الحجرات)

بڑھائی و عظمت کا معیار جاہ و حشمت' دولت و زر اور خاندان و برادری کی بجائے صرف اور صرف تقوی قرار پایا۔ چنانچہ شاعر مشرقؒ پکار اٹھے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

(بانگ درا)

پھر آپ ﷺ کا آخری خطبہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ارشاد ہوا "کسی گورے کو کالے پر' کسی کالے کو گورے پر' عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔" اس طرح آپ ﷺ نے عدل و مساوات اور برابری کا وہ نظام قائم کیا کہ دنیا کی پوری تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

3- تحفظ عفت و عصمت

زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ مظلوم عورت نظر آتی ہے۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اور اگر کچھ بچ جاتیں تو وہ بھی مردوں سے بدتر۔ عورت کو صرف مرد کے پاؤں کی جوتی اور اس کے عیش کا سامان سمجھا جاتا تھا۔ میلوں وغیرہ میں اس سے برہنہ ناچ کروایا جاتا تھا۔ مگر پیغمبر رحمت ﷺ نے آتے ہیں ظلم و ستم کے ان اندھیروں کو ختم کر کے تحفظ عصمت کے لئے عورت کو بیٹی' بہن' بیوی اور ماں کا درجہ دیا۔ پھر "**الجنتہ تحت اقدام الامھات**" کہہ کر اسے وہ مقام و مرتبہ اور عظمت دی جو عورت کے لئے بالکل نئی تھی۔ اسلام سے پہلے عورتوں کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا اسلام نے عورت کے وقار کی بحالی کے لئے وراثت میں عورتوں کا حصہ رکھا اور اس بات کی بھی تاکید کی کہ ان کو اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا جائے۔

4- تعمیر انسانیت

جہاں میں جب سے رسالت مآبؐ آئے ہیں
دل و نظر میں عجب انقلاب آئے ہیں

(سخی کنجاہی)

بے شمار اصلاحی، تعمیری اور انقلابی تحریکیں ہمارے سامنے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک نے انسان کو جوں کا توں رکھ کر خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کی ہیں۔ وہ ہر تبدیلی انسان کے دکھ کا وقتی طور پر تو مداوا ثابت ہوئی لیکن خود انسان کے اندر کی بالیدگی کو دور کر کے مستقل بہتری کا موجب نہ بن سکی۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ دیکھئے کہ انسان اندر سے بدل گیا اور یکسر بدل گیا۔

اندر کی اس تبدیلی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ابوبکرؓ جیسے فدائیوں کی متاع حیات کو فدا ہوتے دیکھئے۔

- حضرت عمرؓ جیسا کے کا میخوار بدلا تو عظمتوں کی کس بلندی کو پہنچا۔

حضرت عثمانؓ جیسے دولت مند تاجر کی سخاوت دیکھئے۔

حضرت علیؓ کی سخاوت کی وجہ سے بے سروسامانی دیکھئے۔

دربار نجاشی میں کھڑے جعفر طیارؓ کی جرات سے اس تبدیلی کا اندازہ لگائیے

حضرت بلالؓ کے منہ سے "احد، احد" کی پکار سنئے جن کو دھکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جا رہا ہے۔

یہ تھا وہ انقلاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جس نے باہر کے نظام کے ساتھ ساتھ انسانی قلب و ذہن کو بدلا اور نیا کردار پیدا کیا۔ یہی انقلاب درد انسان کے لئے صحیح دوا ثابت ہوا اور اسی کے ذریعے وقت کے تمدنی بحران سے راہ نجات ممکن ہوئی۔

5- نظام امن و امان

دور حاضر کی جنس نایاب "امن و امان" کے نفاذ کے سلسلہ میں بھی رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول و قوانین پیش کئے وہ ہر طرح سے مکمل اور جامع ہیں۔ سرچشمہ ہدایت قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔

"اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام کیا مگر حق کے لئے۔"

(بنی اسرائیل - 3)

یہ پیغمبر اعظم ﷺ کا ہی کارنامہ ہے کہ آپ ﷺ نے معمولی سے واقعہ پر سالہاسال تک لڑتے رہنے والے لوگوں کو محبت و اخوت اور امن و سلامتی کا ایسا پیغام دیا کہ خون کے پیاسے اور جان کے دشمن جان نثار بن گئے۔

محمد مصطفیٰ ﷺ ہی نے اندھیروں سے نکالا آدمیت کو
ملا ذات محمد مصطفیٰ ﷺ ہی سے اجالا آدمیت کو
یہ دنیا ریت کی دیوار کی مانند گرتی جا رہی تھی جب
محمد مصطفیٰ ﷺ خیرالوری ہی نے سنبھالا آدمیت کو

6- نظام معیشت

دنیا میں تہلکہ مچا ہوا ہے کہ انسانوں میں ایسا نظام عمل ہونا چاہئے کہ سبھی انسان پیٹ بھر کر کھائیں، پہننے کے لئے انہیں کپڑا میسر ہو اور رہنے کے لئے گھر ہوں۔ پیٹ کے نام پر بے شمار تحریکیں اٹھتی رہتی ہیں گو نتیجہ کے اعتبار سے کوئی بھی کامیاب نہیں ہوتی آنحضرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے جو نظام معیشت پیش فرمایا اس میں کوئی بھی بھوکا ننگا، بے گھر نہیں رہ سکتا۔ اس کی عملی مثال خلافت راشدہ کا دور ہے۔ اسلام میں زکوۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ **اقیمو الصلوۃ واتو الزکوۃ** (بقرہ - 3) منشاء زکوۃ یہ ہے کہ مالداروں سے لے کر حاجت مندوں پر خرچ کیا جائے۔ اور یوں معاشرے میں توازن برقرار رہے۔

7- نظام تعلیم

صدیوں سے جہالت میں ڈوبی ہوئی دنیا کو نبی اکرم ﷺ نے دولت علم کا طالب بنا دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں جگہ جگہ علم و فضل کی ترغیب دی۔ دور اول میں مسلمانوں نے حکمت و تہذیب کے جو قابل تقلید نمونے پیش کئے وہ رسول حکمت ﷺ کی تعلیمات و ہدایات کا ہی پر تو ہیں۔ آپ ﷺ نے علم

کی قدر افزائی فرمائی' عالموں کی قدر و منزلت بیان کی علم کے فضائل بیان فرمائے اور دنیا کو علم کی روشنی سے منور فرما دیا۔

8- تربیت اخلاق

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق و اعمال کی جو بے پایہ اور بیش بہا تعلیم دی ہے وہ تو صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی حصہ ہے بذات خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ ارشاد ہوتا ہے "**انک لعلی خلق عظیم** (القلم - 1) یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق ہی کا نمونہ ہے کہ دنیا کے سب سے جاہل انسانوں کو پیار و محبت کے اس بندھن میں باندھ دیا کہ وہ ایک دوسرے کی خاطر اپنا تن' من' دھن سب کچھ نثار کرنے کو تیار ہو گئے۔

9- محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایثار عظیم

انقلاب اسلام اور احسان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لحاظ سے بھی لاجواب ہے کہ نفاذ اسلام کے لئے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے انتہا قربانیاں دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی صلہ یا عوضانہ نہیں لیا۔ اپنا سب کچھ انسانیت کی بھلائی کے لئے لٹا دیا لیکن خود کچھ بھی نہیں لیا۔ اگرچہ ایسا کرنا' ہر طرح سے جائز اور روا تھا لیکن اتنے بڑے کارنامے پر ذاتی غرض کا خفیف سا دھبہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

10- رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور پھر ذات گرامی کی برکات کسی قبیلے' علاقے' وقت یا گروہ کے لئے مخصوص نہ ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت تمام مخلوق کائنات کے لئے یکساں ہے۔ وہ عید کے دن روتا ہوا یتیم بچہ ہو کہ معراج کی رات روتا ہوا براق' وہ تلوار سے حملہ کرنے والا منافق ہو کہ دشمن اسلام ابو سفیان' وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہولہان کر دینے والے اہل طائف ہوں کہ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا الغرض وہ سارے کا سارا مکہ ہی کیوں نہ ہو کہ جس نے ظلم و ستم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہی گھر سے بے گھر ہونے پر مجبور کر دیا۔ لیکن رحمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھئے فرمایا "جاؤ آج تم سب کو معاف کیا تم

سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ پیغام محمدی ﷺ کے جلو میں آتش انتقام کے شعلے، ظلم و جبر کے پہاڑ، بربادیوں کے کھنڈر اور تباہیوں کے ویرانے نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ کے لبوں پر ایسی روح پرور مسکراہٹیں تھیں جن سے غمزدہ دل پھولوں کی طرح شگفتہ ہو گئے وہ کسی کو ذلیل و خوار کرنے، کسی کی قبائے وقار کو خاک میں ملانے، کسی کا دامن عزت تار تار کرنے یا کسی کو محرومیوں کے اتھاہ اندھیروں میں دھکیلنے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ گرے ہوؤں کو اٹھانے، گرتے ہوؤں کو سنبھالنے، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسانی قافلے کو نور ہدایت کی منزل تک پہنچانے، عصمت فروشوں کو باوقار بنانے اور در در پہ جھکنے والوں کو ایک معبود کا بندہ بنانے کے لئے آئے تھے۔ اور جو دم توڑتی ہوئی انسانیت کو حیات نو دینے آئے تھے، ڈوبتی نبضوں کو حرکت و حرارت اور باطل کے اندھیروں میں شمع حق جلانے کے لئے آئے تھے۔

صلی اللہ علیہ والہ وسلم

یہ احسانات مصطفیٰ ﷺ کے لامحدود اور بے پایہ سمندر میں سے چند قطرے ہیں۔ یہ زمین و آسمان انہی کی رحمت سے روشن و چمکدار ہیں ہماری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ

ے خود کو ان سے جو ضرب دوں تو نکلوں لاتعداد
وہ جو مجھ میں سے نکل جائیں صفر ہو جاؤں

(مظفر وارثی)

اور تاریخ اگر ڈھونڈے گی ثانی محمد ﷺ
ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ نہ ملے گا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عوامی یوتھ لیگ پاکستان کے تحت منعقدہ کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی میں اول انعام یافتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور اکرمؐ بحیثیت پیغمبر انقلاب

یوں تو تاجدار مدینہ' سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اور جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ سمندر میں فقط ایک قطرے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ جس موضوع پر یہ احقر العباد راقم حروف' اپنے خامہ زنگ آلود کو چمکانے میں مصروف ہے اور قرطاس ابیض پر منقار قلم گھسیٹ رہا ہے' اس موضوع پر آج تک بہت کم لکھا گیا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ ہم نے سرکار دو عالم ﷺ کی ذات کو فقط اس قدر سمجھ رکھا ہے۔ کہ وہ شافع روز محشر ہیں اور آپ قیامت کے دن گناہ گاروں کو بخشوائیں گے۔ آپ ﷺ کی یہ شان رحیمی اپنی جگہ بجا' لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم سرکار مدینہ ﷺ کے اصل پیغام سے ہٹ چکے ہیں۔ وہ عظیم الشان انقلاب جو آپ ﷺ نے اس دنیائے جہان میں بپا کیا اس کی برکات سے فیض یاب ہونے اور اس انقلاب کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کی بجائے ہم نوری یا خاکی کی لاحاصل بحث میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ بے مایہ تحریر' اس وقت اسی مقصد کے حصول کے لئے لکھی جا رہی ہے کہ امت مسلمہ کے بالخصوص نوجوانوں اور بالعموم ہر فرد کو دنیا کے عظیم ترین اور واحد کامل ترین انقلاب کی خصوصیات سے روشناس کرانے کی سعی کی جائے۔

وہ عظیم انقلاب جو سرور دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تقریباً" تئیس (23) سال کے قلیل عرصے میں بپا کیا اس نے فرد فرد کے اخلاق' کردار' اعمال' رفتار' گفتار اور معاملات میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کیں۔ مرد' خواتین' بوڑھے' بچے' گلیاں' بازار' مجالس' رہن سہن اور کاروبار' الغرض ہر چیز یکسر بدل کر رہ گئی۔ ان کے معمولات' ان کے لہجے' ان کی مصروفیات' ان کا اٹھنا بیٹھنا' ان کے ذوق و شوق اور ان کی دلچسپیاں بدل گئیں۔ مسجد کے نام سے ایک نیا ادارہ وجود میں آیا جو ہر محلے' ہر بستی میں موجود تھا۔ علم دین حاصل کرنا' جنگ و جدل کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ' گپ بازی اور وقت ضائع کرنے کی بجائے ادائیگی نماز' عدل' اوزان' انصاف' برابری و

مساوات۔۔۔۔ نہ نسل کا فخر اور نہ قبیلہ کا زعم' نہ زباں کی برتری کا دعویٰ اور نہ رنگ کی سفیدی و سرخی کا غرور' سارے انسان خدا کے بندے اور ان سب کا تنہا وہی معبود۔

انقلاب آفریں اسلحہ

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے 23 سال کے قلیل عرصے میں ایک عظیم انقلاب بپا کیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس انقلاب کو بپا کرنے کے لئے آپ ﷺ نے کون سا اسلحہ استعمال کیا؟ آیا آپ ﷺ نے جنگ و جدل کا راستہ اختیار کیا' تیرو تلوار کا سہارا لیا یا زمانے کے جدید آلات جنگ کو استعمال کرتے ہوئے اتنا عظیم اور فقید المثال انقلاب بپا کیا۔ اس سوال کے جواب میں جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے بپا کردہ انقلاب میں' دنیا کے کسی اور انقلاب کے مقابلے میں بہت کم جانیں ضائع ہوئیں۔ یوں یہ تاریخ عالم کا واحد عالمگیر اور غیر خونی انقلاب ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آگے آئے گی) آپ ﷺ نے اس انقلاب کے لئے جو اسلحہ استعمال کیا وہ ہے قرآن مجید یا پھر آپ ﷺ کا بے مثال کردار۔

1- قرآن مجید

قرآن مجید' کلام خدائے لم یزل ہے کہ جس کا ایک ایک لفظ سننے والے کے دل پر اثر کرتا ہے۔ دیکھئے! کہ عمر رضی اللہ عنہ گھر سے تو (نعوذ بااللہ) حضور اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلتے ہیں۔ مگر جب اپنی بہن کے گھر سے قرآن مجید کی آیات سنتے ہیں تو حلقہ اسلام میں داخل ہو کر اس عظیم انقلاب نبوی ﷺ کے کارکن بن جاتے ہیں۔ اس طرح قرآنی آیات نے پتھر دلوں کو پگھلا کر راہ انقلاب کو ہموار کرنے کا کام کیا۔

2- کردار مصطفیٰ ﷺ

کفار مکہ کے سامنے سب سے بڑی دلیل آپ سرکار ﷺ کا کردار تھا۔ جو

آئینے کی طرح شفاف اور بے داغ تھا۔ آپ ﷺ کی جان کے دشمن' آپ ﷺ کے خون کے پیاسے بھی آپ ﷺ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے اور نظریاتی طور پر آپ ﷺ کے بدترین مخالف بھی تاعمر آپ ﷺ کی ذات گرامی پر ایک مرتبہ بھی لب کشائی نہ کر سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے بلند ترین کردار نے ایک زبردست انقلابی اسلحے کا کام کیا۔

خصائص انقلاب مصطفوی ﷺ

اب آیئے ذرا جائزہ لینے کی کوشش کریں کہ سرور کائنات ﷺ کے بپا کردہ انقلاب کی چیدہ چیدہ خصوصیات کیا ہیں۔

1- مکمل معاشرتی مساوات

سرکار مدینہ ﷺ کے بپا کردہ انقلاب کا ایک بلند خاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے میں مکمل مساوات کا نظام قائم کیا۔ آپ ﷺ نے تمام انسانوں کو برابر قرار دیا۔ کوئی اعلیٰ نہیں' کوئی ادنیٰ نہیں' پوری نوع انسانی ایک ہی جوڑے کی اولاد ہے۔ چنانچہ خطبہ حج الوداع میں ارشاد ہوتا ہے۔ **لیس لعربی علی عجمی فضل ولا لاسود علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود فضل الابالتقوی**

ترجمہ : "نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے۔ اور نہ کسی عجمی کو عربی پر۔ نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے۔"

قرآن مجید نے **ان اکرمکم عنداللہ اتقکم** ○ (الحجرات 49 - 13) کہہ کر رنگ و نسل' زبان و فرقہ' قبیلہ و علاقہ' غلام و آقا' امیرو غریب' اور ذات برادری کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ یوں معاشرے میں مساوات و برابری کا ایک نیا اور زبردست نظام قائم ہوا جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں اور نہیں ملتی۔ کوئی بھی عام شخص خلیفہ وقت سے بلا جھجک یہ سوال کر سکتا ہے کہ "اے امیرالمومنین! سب کو تو ایک ایک چادر ملی۔ آپ کے جسم پر جو کپڑا ہے وہ ایک چادر سے نہیں بنتا۔ پھر آپ نے ایک سے

زائد چادر کیوں لی؟"

2- انقلاب نبوی ﷺ کا بنیادی نظریہ ---- توحید

سرکار مدینہ ﷺ نے اپنے عظیم ترین انقلاب کی بنیاد نظریہ توحید پر رکھی۔ چنانچہ تبلیغ اسلام کے لئے یہی کلمہ ادا فرماتے "**یایھا الناس قولو لا الہ الا اللہ تفلحوا۔** "اے لوگو! کہہ دو' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔" یہاں اگر ہم دنیا کے دوسرے انقلابات پر غور کریں تو ان میں اور سرکار مدینہ ﷺ کے انقلاب میں ایک زبردست فرق یہ نظر آئے گا کہ عام انقلابات میں نظریہ' فلسفہ اور فکر انسانی ذہن کی پیداوار ہوتی تھی۔ لیکن اس عظیم ترین انقلاب کا نظریہ' عالمگیر آسمانی نظریہ ہے اس کی فکر اور فلسفہ براہ راست وحی سے منسلک ہیں۔ نظریہ خدا کی وحدانیت کا ہو' فلسفہ و فکر انقلاب وحی سے ہو' محنت تاجدار انبیاءؑ کی ہو اور مدد خدائے لم یزل کی ہو تو پھر اس عظیم ترین انقلاب کو آنے سے کون روک سکتا ہے چنانچہ آپ نے نغمہ توحید سنایا تو تین سو ساٹھ (360) بتوں کے پجاری شمع رسالت ﷺ کے پروانے بن کر مستانہ وار جھومنے لگے۔

3- حکومت ---- ملکیت کی بجائے امانت

آپ ﷺ کے بپا کردہ انقلاب نے جو ایک اور بڑی تبدیلی پیدا کی وہ تھی حاکمیت انسانی کی کلی نفی۔

یہ ایک بہت بڑا عظیم انقلابی نظریہ ہے۔ چنانچہ اس نظریئے کا اعلان قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر ہوتا ہے۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ "**لہ ملک السموات والارض**" تو کہیں پر "**ان الحکم الا اللہ**" ایک اور مقام پر یوں ہے کہ "**تبارک الذی بیدہ الملک**" بقول شاعر مشرقؒ

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

خدائے واحد کی مطلق حاکمیت کا نظریہ ایک عظیم انقلابی نظریہ ہے۔ اس خدا کے سوا کوئی اور حاکم مطلق نہیں---- نہ کوئی فرد' نہ کوئی خاندان' نہ کوئی قوم' نہ ہی

پوری نوع انسانی--- اب ذرا غور ہو کہ سینکڑوں بتوں کو پوجنے والے لوگوں کو ایک خدائے واحد کے بندے بنا دینا کوئی آسان کام تو نہ تھا یہ انقلاب مصطفوی ﷺ ہی کا خاصہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ اسے حضرت اقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

؎ اس سے بڑھ کر اور کیا فکرو عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

4- انقلابی اسلامی ریاست کی تشکیل

آپ ﷺ نے سب سے پہلی انقلابی ریاست مدینہ منورہ میں تشکیل دی۔ تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا۔ عبادات کا ایک نظام قائم کیا گیا۔ نماز' روزہ' حج' زکوۃ' جہاد فرض ہوئے۔ نظام عدل و انصاف قائم ہوا۔ عبادات کی ادائیگی اور تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اپنے سلسلہ ہائے روزگار بھی شروع کئے۔ معاشی اور معاشرتی طور پر استحکام پیدا ہوا۔ تعلیم و تبلیغ کے سلسلے کو موثر انداز میں شروع کیا الغرض ہر طرح کی وہ خصوصیات جو کسی ایک انقلابی ریاست میں ہونی چاہئیں' وہ سب اس انقلابی اسلامی ریاست میں موجود تھیں۔

5- تعمیر کردار

بے شمار اصلاحی' تعمیری اور انقلابی تحریکیں ہمارے سامنے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک نے انسان کو جوں کا توں رکھ کر خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کی ہیں۔ وہ ہر تبدیلی انسان کے دکھ کا وقتی مداوا تو ثابت ہوئی لیکن خود انسان کے اندر کی بالیدگی کو دور کر کے مستقل بہتری کا موجب نہ بن سکی۔ سرکار دو جہاں ﷺ کا کارنامہ دیکھئے کہ انسان اندر سے بدل گیا اور یکسر بدل گیا۔ وہ لوگ کہ جو اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے' وہ لوگ کہ جو عورتوں کو میلوں میں برہنہ نچایا کرتے تھے' وہ لوگ کہ شراب اور جواء ان کے معمولات بن چکے تھے' وہ لوگ کہ شرافت ان سے کوسوں دور تھی' وہ لوگ کہ ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہانے کے لئے تیار ہو جایا کرتے تھے۔ ان کے اذہان و قلوب کو آپ ﷺ نے ایسا بدلا' ان کے کردار کی تعمیر ایسے کی کہ

ابوبکرؓ ہیں تو "صدیق" کا لقب پاتے ہیں، عمرؓ ہیں تو "فاروق" کے نام سے جانے جاتے ہیں، عثمانؓ ہیں تو "غنی" اور "ذوالنورین" کہلاتے ہیں اور علیؓ آتے ہیں تو "شیر خدا" کا لقب پاتے ہیں۔ ان کے رویوں، ان کے عمل، ان کی سیرت، ان کے معاملات اور ان کے کردار میں ایک زبردست انقلاب بپا ہوتا ہے۔ چنانچہ پروفیسر فلپ ہٹی اپنی کتاب " تاریخ عرب" میں یوں رقم طراز ہے۔

AFTER THE DEATH OF THE PROPHET, STERILE ARABIA SEEMS TO HAVE BEEN CONVERTED, AS IF BY MAGIC INTO A NURSARY OF HEROES THE LIKE OF WHOM BOTHIN NUMBER AND QUANTITY IS HARD TO FIND ANYWHERE.

PROF.P.K.HITTI; HISTORY OF ARABS. (1979 P.142)

ترجمہ : "پیغمبر ﷺ اسلام کے دنیا سے پردہ کرتے ہی ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے عرب کی بنجر زمین جادو کے ذریعے ہیروں کی نرسری میں تبدیل کر دی گئی ہے۔ ایسے ہیرو جن کی مثل، تعداد اور نوعیت میں کہیں اور ملنا سخت مشکل ہے۔"

6- کامل انقلاب کی واحد مثال

دنیا میں رونما ہونے والے اور بہت سے انقلابات تاریخ کے صفحات پر رقم ہیں۔ لیکن شواہد اور حالات زمانہ بتاتے ہیں کہ ان سب انقلابات نے تبدیلی تو پیدا کی مگر وہ تبدیلی ہمیشہ انسانی زندگی کے فقط ایک یا زیادہ سے زیادہ دو پہلوؤں کا احاطہ کر سکی۔ یوں وہ تمام انقلابات جزوی انقلاب تھے ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب " منہج انقلاب نبوی" میں لکھتے ہیں کہ "تاریخ انسانی میں کامل انقلاب (TOTAL REVoLUTION) صرف اور صرف حضرت محمد عربی ﷺ نے بپا کیا ہے۔ باقی دنیا کے جو انقلابات مشہور ہیں وہ جزوی انقلاب تھے۔ فرانس کے انقلاب سے صرف سیاسی ڈھانچہ بدلا۔ معاشی، معاشرتی، روحانی و اخلاقی اقدار اور عقائد نہیں بدلے۔ روسی انقلاب سے صرف معاشی ڈھانچہ بدلا، سیاسی ڈھانچہ میں ایک جزوی تبدیلی آئی۔ انسانی زندگی کے چھ کے چھ گوشوں اور چیزوں یعنی (i) عقائد (ii) عبادات (iii) سماجی رسوم (iv) معاشرتی سسٹم (v)

معاشی و اقتصادی سسٹم (vi) سیاسی سسٹم کو بدلا ہے' تاریخ انسانی میں تو صرف ایک مرتبہ بدلا ہے اور یہ بدلا ہے حضرت مصطفیٰ ﷺ نے۔ حضور ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کے بارے میں میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ہمیں ڈھونڈنے سے بھی اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جو یکسر تبدیلی ہو کر نہ رہ گئی ہو" بقول شاعر

محمد مصطفیٰ ﷺ کے آنے سے رنگ ہر خاص و عام بدلا

حکومتوں کا مزاج بدلا' عبادتوں کا نظام بدلا
چلا جو فاراں کی رفعتوں سے وہ زندگی کی ہوا کا جھونکا
نگر نگر انقلاب آیا' چمن چمن انتظام بدلا

7- غیر خونی انقلاب

بعض ناقص العقل لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ آیئے! تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی اور اعدادو شمار کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیتے ہیں۔

وہ انقلاب جو تیئس (23) سال کے عرصے میں بپا ہوا جس کے لئے حضور ﷺ نے آٹھ (8) سال کی مدت میں ستائیس (27) غزوات کئے تقریباً" سال میں تین بار جہاد۔ کل بیاسی (82) جنگیں لڑی گئیں۔ انسان سوچتا ہے کہ اتنی زیادہ جنگوں میں خون خرابے اور تباہی و بربادی کا کیا حال ہو گا۔ لیکن مورخین نے حضور ﷺ کے ساتھیوں اور فریق مخالف کے افرادی نقصان کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ اس طرح ہے۔

یہ نقشہ 82 جنگوں کے افرادی اتلاف پر مشتمل ہے

نام فریق	اسیر	زخمی	مقتول
مسلمان	11	127	459
مخالفین	6564	نامعلوم	459

اس سے ثابت ہوا کہ اس حیرت انگیز اسلامی انقلاب میں کل انسان جو کام آئے

وہ (459 + 459) صرف 918 ہیں اور اگر ان مقتولین کو بیاسی (82) جنگوں پر تقسیم کیا جائے تو فی جنگ اوسطاً" مقتولین کی تعداد 11.20 نکلتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس سے بڑا غیر خونی انقلاب (BLOOD LESS REVOLUTION) آج تک دنیا میں کبھی کوئی بپا ہوا ہے جس کے ذریعے انسان کا ظاہرو باطن اور نظام معیشت و سیاست سب کچھ بدل جائیں۔ اس کے مقابلے میں دوسرے انقلابات کا حال دیکھ لیجئے۔ روس میں اشتراکی انقلاب آیا جو خود بھی صرف نصف انسانیت کے مسئلے کا حل پیش کرنے کا ہی مدعی تھا۔ اس میں ایک کروڑ سے زائد انسان قتل و غارت کا شکار ہوئے۔

18-1914 کی ہولناک جنگ عظیم' یورپین ملک اس مقصد کے لئے لڑے کہ وہ جرمنی کے مقابلے میں اپنی سلطنت کی آزادی برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس جنگ میں مقتولین کی مجموعی تعداد 73 لاکھ 38 ہزار بتائی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری جنگ عظیم کا حال دیکھ لیجئے۔ اس میں مقتولین کی مجموعی تعداد 106 لاکھ 50 ہزار تھی۔

یہ تو صرف دنیوی جنگوں کا نمونہ ہے مذہبی جنگوں میں دیکھ لیجئے۔ مہابھارت کی جنگ میں پورا ہندوستان تباہ ہو گیا اور بہت تھوڑے انسان زندہ بچ سکے۔ ان کی اپنی روایت کے مطابق مقتولین کی تعداد کروڑوں سے تجاوز کر گئی تھی۔ یورپ میں مذہبی عدالتیں قائم ہوئیں تو ان کے ذریعے ایک فرقے کے لوگوں نے دوسرے فرقے کے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد کو قتل کر دیا یا زندہ جلا دیا۔ صرف سپین میں ہی تین لاکھ چالیس ہزار انسانوں کا قتل کیا گیا جن میں سے چھتیس ہزار کو تو زندہ جلا دیا گیا۔

(رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب ـــــ سید اسعد گیلانی)

اب اس قتل و غارت اور خون خرابے کے مقابلے میں اس انقلاب کو دیکھئے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے انسان کے جسم و روح میں بپا کر دیا۔ اس کام میں صرف 23 سال کی مدت لگی اور صرف 918 انسان دو طرفہ قتل ہوئے اس انقلاب بپا کرنے والی سراپا رحمت ہستی کو اب بھی ہم رحمتہ اللعالمین ﷺ نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟

8- ایک کامیاب انقلاب کو پرکھنے کی کسوٹی

اب بھی اگر کسی کو اس انقلاب کی عظمت پر یقین نہ آیا ہو تو اس کے لئے

کامیاب انقلاب کو پرکھنے کی ایک کسوٹی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی بھی عظیم انقلاب علاقائی، جغرافیائی، ملکی یا قومی حدود کا پابند نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ پھیلتا ہے چنانچہ یہ پیمانہ ہے اس بات کو جانچنے کا کہ کس تبدیلی کو انقلاب کا نام دیا جائے گا اور کس تبدیلی پر اس لفظ کا اطلاق کرنا غلط ہو گا۔ اگر اس تبدیلی میں وسعت پذیری کی صلاحیت اور رجحان موجود ہے تو اسے ہم انقلاب کہیں گے اور اگر اس میں جغرافیائی حدود کو پھلانگنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ تو درحقیقت وہ انقلاب نہیں ہے۔ بلکہ محض ایک سطحی تبدیلی ہے۔ سرکار مدینہ ﷺ کا انقلاب محض جزیرہ نمائے عرب کی حد تک محدود نہ رہا۔ آج اگر دنیا کے کونے کونے میں اسلام کے نام لیوا، اسلام کے فدائی، سرکار مدینہ ﷺ کے جاں نثار موجود ہیں اور دنیا کی دوسری بڑی اکثریت ہیں تو یقینی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا برپا کردہ انقلاب دنیا میں پھیلا ہے اور اس نے دنیا کے گوشے گوشے میں نہ صرف اپنی شناخت کروائی بلکہ لوگوں کے قلوب و اذہان پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اور اپنی زبردست خصوصیات کی وجہ سے، اس انقلاب نے قوموں کی تقدیر بدل کر رکھ دی ہے۔

پگھل گئے تیری گرمی سے منجمد لہجے
رگ وجود میں اتریں حرارتیں تیری

(انور جمال)

حرف آخر

مصطفوی ﷺ انقلاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انقلاب براہ راست فطرت انسانی سے متعلق ہے۔ انسان کے مادی وسائل، عادات و معمولات، رہن سہن کے طریقے علمی تحقیق اور حقائق تک رسائی، عصری تقاضے، رسوم و رواج اور ضروریات سب کچھ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح ان پہلوؤں سے متعلقہ انقلابات بھی وقت کے ساتھ ساتھ عروج و زوال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں انقلاب نبوی ﷺ چونکہ فطرت انسانی سے متعلق ہے اور فطرت انسان کبھی بھی تبدیل نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ انقلاب بھی عالمگیر ہے، ہمہ

گیر ہے' ہر دور کے تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دور حاضر میں فقط اس انقلاب کے لئے راہ ہموار کرنے کی ضرورت ہے' اپنی فیوض و برکات کو منوانے کا کام یہ خود کرے گا۔ تمنا ہے کہ خدا اس فریضہ عظیم کی انجام دہی کا کام ہم سے لے۔

(آمین یا رب العالمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کل پاکستان منہاج القرآن
مقابلہ مضمون نویسی میں دوم انعام یافتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیمی پسماندگی کے اسباب اور ان کے تدارک میں طلبہ کا کردار

سیرت کی تشکیل ہو یا اصلاح معاشرہ' سب کا آغاز تعلیم سے ہوتا ہے۔ مدرسہ نسلوں کو ڈھالنے کا کارخانہ ہے۔ کسی بھی قوم کے مستقبل کی خوشحالی کا انحصار اس کے باصلاحیت طلباء پر ہوتا ہے۔ کسی ملک کا نظام تعلیم جس قدر عمدہ اور قابل اعتماد ہو گا' اس ملک کا مستقبل اسی طرح درخشندہ اور تابناک ہو گا۔ پوری دنیا نے اس وقت اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ صرف اور صرف تعلیم کی بلند شرح ہی پھیلتے ہوئے مسائل کا حل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ پوری دنیا اس وقت اپنے بھرپور وسائل اعلیٰ تعلیمی معیار کے حصول کے لئے صرف کر رہی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے ممالک سو فیصد شرح خواندگی کے حصول میں کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں شرح خواندگی اس حد تک تشویش ناک ہے کہ اگر ترقی یافتہ تو کیا' کم ترقی یافتہ ممالک سے بھی اس کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو نظریں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ پھر ایک مسلمان قوم کے لئے تو یہ بات اور بھی زیادہ لمحہ فکر یہ پیدا کرتی ہے جن کے مذہب میں علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہو' جن کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہ سوال کیا ہو **ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون** ○ کیا جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر ہو سکتے ہیں؟

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ زریں اقوال بھی ہمارے سامنے ہیں اور پھر بھی ہمارا تعلیمی معیار انتہائی پست ہے۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ گردش زمانہ اور حالات و واقعات سے بھی ہم سبق نہیں سیکھ رہے اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی تعلیم کو یوں پس پشت ڈال کے بیٹھے ہوئے ہیں گویا اس سے ہمیں کچھ سروکار ہے ہی نہیں۔ جناب اکبر الہ آبادی مرحوم کے الفاظ میں آج ہماری صورتحال کچھ یوں ہے کہ

ے بے علم بھی ہم لوگ ہیں' غفلت بھی ہے طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

آیئے اعداد و شمار کی روشنی میں اس تلخ حقیقت کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہم علمی اعتبار سے کہاں کھڑے ہیں۔

پاکستان میں شرح خواندگی

سال	1961	1972	1981
کل آبادی	% 16.7	% 21.7	% 26.2
شہری آبادی	% 34.8	% 41.5	% 47.1
دیہی آبادی	% 16.6	% 14.3	% 17.3
مرد	% 25.1	% 30.2	% 35.0
خواتین	% 6.1	% 11.6	% 16.0

Handbook of Population Census, Govt. of Pak. 1985

اس جدول پر نظر ڈالتے ہوئے یہ بات ضرور پیش نظر رہے کہ خواندگی کا معیار کیا رکھا گیا ہے۔ 1981ء کی مردم شماری میں اس شخص کو خواندہ قرار دیا گیا ہے "جو اخبار پڑھ سکتا ہے اور ایک سادہ خط لکھ سکتا ہے۔" خواندگی کی اس تعریف کے پیش نظر مندرجہ بالا اعدادو شمار کو دیکھیں تو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ہم ترقی کے لحاظ سے کہاں کھڑے ہیں۔ اب ترقی یافتہ یورپی ممالک تو ایک طرف' صرف ایشیائی ممالک کے مقابلہ میں' پاکستان میں شرح خواندگی کا جائزہ لیں۔

ایشیائی ممالک میں شرح خواندگی (بمطابق 1990ء UNESCO)

نام ممالک	جاپان	فلپائن	سری لنکا	کوریا
شرح خواندگی	% 99.6	% 89.9	% 89.6	% 96.7
نام ممالک	تھائی لینڈ	مالدیپ	انڈونیشیا	بھارت
شرح خواندگی	% 33.3	% 93.0	% 77.1	% 48.3

پاکستان % 34.9

Pakistan Educational Journal. Vol 5 no. 1 & 2 Page 45

آیئے اب چند نکات کے حوالے سے اپنے ہاں اس تعلیمی پسماندگی کے اسباب کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

تعلیمی پسماندگی کے اسباب

1- مقصد تعلیم ___ محض حصول ڈگری

امام غزالیؒ "احیاء العلوم" میں رقم طراز ہیں "تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہئے کہ علم نوجوان کے ذہن کی پیاس بجھادے بلکہ اسے اس کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہئے۔" اس کے برعکس ہمارے ہاں تعلیم صرف ڈگری کے حصول تک محدود ہو کر رہ چکی ہے۔ ہم صرف ڈگریاں جمع کرتے جا رہے ہیں۔ نہ یہ احساس ہے کہ اس ڈگری کے ہم وزن علم بھی حاصل ہے یا نہیں اور پھر یہ کہ اس علم پر کچھ عمل بھی ہے کہ نہیں--- یہاں کسی کے ذہن میں بھی "علم برائے عمل" کا نظریہ تو ہے ہی نہیں۔ بلکہ ہر اک کے ذہن میں "علم برائے ذریعہ معاش" کا نظریہ ہے یہ نظریہ برائے خود تعلیم کے لئے سم قاتل ہے۔

یہی پرسش ہے ہر سو' آپ بی۔ اے ہیں کہ ایف۔ اے ہیں
یہ ہے جب رنگ دنیا کا تو سیکھیں علم دیں کیونکر
(اکبر الہ آبادی)

2- اساتذہ کا معیار تعلیم

استاد کا فرض ہے یہ ہے کہ وہ بچوں کو خاکبازی کی بجائے "شاہینی صفات" سکھائے اور انہیں جہاں بانی کے قابل بنائے لیکن ایسا تو صرف اسی صورت میں ممکن العمل ہے جب خود استاد کے اندر یہ صفات موجود ہوں اور وہ علوم کے ہمہ پہلو تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہو۔ جبکہ ہمارے ہاں شعبہ تعلیم کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اول درجے کے نااہل' کم علم' بدخط اور فن تدریس سے ناآشنا لوگ درس و تدریس کے شعبہ میں

پیسے بٹور رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ محبت' شفقت' حب الوطنی اور پیشہ معلمی پر فخر کرنے والے اساتذہ کی تعداد میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ اور زندگی سے بیزار' تنگ نظر' مطالعہ سے خالی' سہل انگار' بداخلاق اور اپنے پیشے پر نادم ہونے والے اساتذہ کی تعداد میں غیر محسوس طریقے سے اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ جس شخص کو کسی دیگر منفعت بخش محکمہ میں خدمت کا موقع نہیں ملتا وہ آنے والی نسلوں کو برباد کرنے کے لئے محکمہ تعلیم کا رخ کرتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق' ایک نکما استاد' اپنی تمام سروس کے دوران چالیس ہزار طلباء کا بیڑہ غرق کرتا ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں موجود ایسے اساتذہ کی تعداد کا ہلکا سا اندازہ لگاتے ہوئے' یہ بات باسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ کس قدر زیادہ طلباء بکروں کی طرح ان قصابوں کی چھریوں تلے ذبح ہو رہے ہیں۔ استاد کے کردار کو دیکھ کر بچوں میں کوئی مثبت تبدیلی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ بقول اکبر

ے نہیں اہل یقیں جب وہ تو یہ کیا مذہبی ہوں گے
اثر پڑتا ہے شاگردوں پہ استادوں کے باطن کا

3- والدین کی عدم دلچسپی

تعلیمی انحطاط کی ذمہ داری کسی حد تک والدین پر بھی عائد ہوتی ہے۔ والدین اپنے بچوں کی فیس دے کر' اور دوسرے تعلیمی اخراجات پورے کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کی تعلیم اور تربیت کا حق ادا ہو چکا۔ وہ بچے کی صحبت' گھر سے باہر اسکی دلچسپیوں اور اس کی تعلیمی رفتار سے بالکل لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بچہ چوبیس (24) گھنٹوں میں سے چھ (6) یا سات (7) گھنٹے سکول میں استاد کے پاس گزارتا ہے تو باقی کے سترہ (17) یا اٹھارہ (18) گھنٹے اپنے گھر میں' والدین کے پاس گزارتا ہے اس کا اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا' رہنا سہنا' ہر کام اس کے والدین کے سامنے ہوتا ہے۔ انہیں چاہئے کہ بچے کے کردار اور تربیت کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں' استاد کے ساتھ مکمل رابطہ رکھیں اور بچے کی تکالیف اور دلچسپیوں سے آگاہ رہیں۔

4- طبقاتی نظام

ہمارے ہاں افسر شاہی اور جاگیر داروں نے اپنے بچوں کے لئے اعلیٰ معیار کے تعلیمی ادارے قائم کر رکھے ہیں جو عوامی دسترس سے دور اور صرف طبقہ امراء کے لئے مخصوص ہیں۔ حکمران طبقہ کی ساری توجہ اپنی اس پسندیدہ نظام کی پرورش و پرداخت تک محدود ہے۔ اسے پرواہ ہی نہیں کہ عامتہ الناس کے بچے تعلیمی میدان میں کن مسائل سے دو چار ہیں۔ بڑے بڑے سیاستدانوں اور جاگیرداروں کے اپنے بچوں کے لئے تو ایچی سن کالج' چیفس کالج' ماڈل کالج اور دیگر مراعات یافتہ مہنگے ادارے موجود ہیں۔ اگر غریبوں کے بچوں کے تعلیمی ادارے دیکھنے کی زحمت گوارا ہو تو' قبرستان سے ملحقہ' جوہڑ کے کنارے' گوبر کے ڈھیروں کے پاس' سایہ کے بغیر' پینے کے پانی سے دور' آپ کو خستہ حال سکول نظر آئیں گے۔ ایسی دل شکن صورتحال پر جناب مظفر وارثی پکار اٹھتے ہیں۔

ہر فرد ہے محبت و تکریم کے لئے
انساں نہیں بنا کسی تقسیم کے لئے
بچہ کسی امیر کا ہو یا غریب کا
ماحول ایک جیسا ہو تعلیم کے لئے

5- تدریسی تجربات کا فقدان

تعلیمی پسماندگی کی ایک اور وجہ تدریسی تجربات کا فقدان ہے۔ ہمارے ہاں تدریس کے لئے فقط تقریری طریقہ تدریس (Lecture Method) ہی استعمال کیا جاتا ہے جبکہ بلند شرح خواندگی حاصل کرنے والے ممالک اپنے ہاں نئے نئے تدریسی تجربات کر رہے ہیں۔ ان کے ہاں تدریسی معاون کے طور پر نقشہ جات' چارٹس' ماڈلز' سائنس کا سامان' تعلیمی دورے' سائنسی میلے' عجائب گھر' تعلیمی فلمیں' ویڈیو کیسٹیں اور کمپیوٹر وغیرہ استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ تدریس کے شعبہ میں سمعی اور بصری معاونات (A.V. Aids) استعمال کرنے سے مطالعہ میں وسعت اور فہم و فراست میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی' اس شعبے میں ہم مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

6- جدید اور منظم کتب خانوں کی غیر موجودگی

کتب خانے کسی بھی قوم کا دماغ ہوتے ہیں۔ کتب خانے دو طرح سے خواندگی پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اولاً" اساتذہ کا لائبریری سے استفادہ اور ثانیاً" طلباء کا براہ راست کتب خانہ سے استفادہ۔ ہمارے ہاں اول تو جدید اور منظم کتب خانے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور جہاں کہیں ہیں' وہاں اساتذہ طلباء میں تو شوق مطالعہ خیر کیا پیدا کریں گے' وہ خود لائبریریوں سے دور اپنی دنیا میں مست مئے ذوق تن آسانی ہوتے ہیں۔ ادھر طلباء کو دارالمطالعہ سے کیا غرض؟ کھیل کے میدان ہوں' شرارتوں کے اڈے ہوں' جوئے بازوں کی محفل ہو' ایسی ہر محفل میں تو ان کا اٹھنا بیٹھنا ہو سکتا ہے۔ لیکن کتب خانے ویران نظر آتے ہیں۔ ایسے میں ہم بلند معیار تعلیم حاصل کرنے اور دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے ہم پلہ ہونے کا خواب کیسے دیکھ سکتے ہیں؟

7- ناقص نصاب تعلیم

مختلف درجوں کے لئے نصاب کی تدوین ایک شغل بنا ہوا ہے۔ اردو' اسلامیات' شہریت' فارسی' عربی اور تاریخ جیسے مضامین کے نصاب میں دوسرے چوتھے سال تبدیلی کر دی جاتی ہے۔ اور مقصد صرف پیسے کمانا' ورنہ کبھی غالب کی غزلیں آگے اور میر تقی میر کی غزلیں شروع میں درج کرنے یا اکبر و حالی کی نظمیں آگے پیچھے کر دینے سے کیا حاصل؟

دوسری طرف آپ نصاب تعلیم پہ ذرا سا غور کیجئے تو آپ کو اس میں عجیب و غریب تضادات نظر آئیں گے۔ ایک طالب علم کو اسلامیات میں پڑھایا جاتا ہے کہ "اسلام میں سود حرام ہے" دوسری طرف معاشیات کے مضمون میں اسے سود مرکب' سود منفرد نکالنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ ہمارے سارے معاشی نظام اور بنکاری نظام کی بنیاد سود پر ہے۔ ایسے تضادات میں ایک طالب علم کیا سیکھے گا؟

نئی تعلیم میں تقوے کا وہ اکرام کہاں؟
ناز بے حد ہیں مگر غیرت اسلام کہاں؟

8- غلط نظام تعلیم

(الف) ہماری تعلیمی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ دراصل خود ہمارا نظام تعلیم ہے۔ ہماری جاری تعلیمی پالیسی' 1833ء میں لارڈ میکالے کی نافذ کردہ تعلیمی پالیسی کی نقالی ہے جس کا مطلب صرف غیر ملکی آقاؤں کے لئے اچھے کلرک پیدا کرنا تھا۔

(ب) اول تو تعلیم کی طرف کوئی حکومت' کوئی خاص توجہ ہی نہیں دیتی۔ اگر کسی کو کچھ خیال آ بھی جائے' اور وہ کسی طرح سے کوئی تعلیمی پالیسی تشکیل بھی دے لے تو اس کے اطلاق کا مرحلہ ہی نہیں آتا۔ اس کی راہ میں کئی کئی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔

(ج) ہر حکومت اپنا دور پورا کرنے کی فکر میں ہوتی ہے۔ اجتماعی مفادات کو سامنے رکھ کر ٹھوس بنیادوں پر ایسی منصوبہ بندی ہم بالکل نہیں کرتے جن کے نتائج دور رس ہوں۔

(د) تعلیمی منصوبہ بندی کا کام ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جو تعلیمی مسائل سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔

(ر) اس وقت ملک میں کئی مختلف نصاب تعلیم رائج ہیں' مختلف ذرائع تعلیم رائج ہیں۔ کتابوں میں یکسانیت اور ہم آہنگی بالکل نہیں ہے۔ جب تک پورے ملک کا ایک ہی نصاب نہیں ہو گا' اس وقت تک نئی پود میں یک جہتی کا رجحان پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

9- تربیت کا فقدان

اصل خرابی یہ ہے کہ ہمارے ہاں صرف اور صرف تعلیم کا لفظ رہ گیا ہے جبکہ تربیت اور کردار سازی کا عمل مفقود ہے۔ اگر ہم تعداد (Quantity) کے اعتبار سے دیکھیں تو انحطاط نہیں ہوا۔ تعلیمی ادارے پہلے سے زیادہ ہیں' اساتذہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے' طلبا پہلے سے زیادہ نمبر لیتے ہیں۔ اور پھر شرح خواندگی بھی کچھ نہ کچھ بڑھی ہے۔ اصل انحطاط (Quality) کے اعتبار سے ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صرف

ڈگریوں اور نمبروں کو علم سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اس کے عملی پہلوؤں کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ بقول جناب اکبر الہ آبادی

ے مسلماں تو وہ ہے جو ہے مسلماں علم باری میں
کروڑوں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری

اور ے علم وہ خوب ہے جو حسن عمل تک پہنچے
ذوق قد خوب کہ جو راز ازل تک پہنچے

10- مالی وسائل کی کمی

ہمارے ہاں تعلیمی پسماندگی کا ایک اور بڑا اور اہم سبب یہ ہے کہ شعبہ تعلیم کے لئے ہمارا صوبائی اور قومی بجٹ توہین آمیز حد تک کم رکھا جاتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں موزوں افراد تیار کرنا اسی "تعلیمی فیکٹری" کا کام ہے۔ یہ فیکٹری جس قدر جدید سہولتوں سے بہرہ ور ہو گی اتنا ہی اس کی پیداواری صلاحیت اور کوالٹی اچھی ہو گی۔

عالمی تنظیم یونیسکو کے تحت ایشیائی ممالک کی کراچی میں منعقدہ کانفرنس 1960ء میں یہ طے کیا گیا تھا کہ ان ممالک کو اپنی تعلیمی ترقی کے لئے کم از کم جی۔ این۔ پی کا چار فیصد (4 %) تعلیم پر خرچ کرنا چاہئے۔ اس وقت پاکستان اپنے بجٹ کا 1.3 % حصہ تعلیم پر خرچ کرتا تھا۔ آج تقریباً 33 برس گزرنے کے بعد بھی ہم اپنے اس مقررہ ہدف (یعنی 4 %) کے نصف تک بھی بمشکل پہنچ سکے ہیں۔

موجودہ صورتحال میں تعلیمی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل جدول کا جائزہ لینے سے معلوم ہو گا کہ ہم اپنی تعلیمی ترقی کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

مرکزی بجٹ برائے تعلیم 1991ء

نام ممالک	جاپان	کوریا	سری لنکا	سنگاپور	ایران
جی این پی کا	%5.00	%4.2	%3.8	%3.8	%3.8
نام ممالک	تھائی لینڈ	بھارت	نیپال	بنگلہ دیش	پاکستان
جی این پی کا	%3.8	%3.4	%2.8	%2.2	%2.1

کیا تعلیم پر اتنے کم اخراجات سے ہم تعلیمی میدان میں ترقی کر سکتے ہیں۔ جبکہ یونیسکو (UNESCO) کی ایک تازہ ترین رپورٹ کے مطابق "جو ملک اپنے جی۔ این۔ پی کا 2.5 % یا اس سے کم تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ وہ جہالت کے سب سے نچلے درجے پر ہوتا ہے۔"

11- تعلیمی پسماندگی کے اسباب ___ ایک ماہر تعلیم کی نظر میں

ڈاکٹر فضل کریم خاں نے ایک دوسرے نقطہ نظر سے اپنے مقالے "Regional Pattern of literacy in Pakistan" میں تعلیمی پسماندگی کے اسباب یہ بیان کئے ہیں۔

1- پرائمری سکولوں کی کمی۔
2- لوگوں کی بڑی تعداد اس بات کو نہیں مانتی کہ تعلیم زندگی کی ضرورت ہے۔
3- ان میں سے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ تعلیم بچوں میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔
4- بچے ایک دفعہ تعلیم حاصل کر لیں تو وہ کھیتوں میں کام کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔
5- وہ کام کی عظمت کھو دیتے ہیں۔
6- تعلیم کے بعد ان کو روزگار نہیں ملتا اور اگر مل بھی جائے تو اس میں خاندان کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔
7- والدین کا یہ احساس بہت مضبوط ہے کہ تعلیم یافتہ بچے میں بہادری کی کمی ہو جاتی ہے۔ وہ بزدل ہو جاتے ہیں اور زندگی کے چیلنج کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ خیال جاگیرداروں میں عام ہے جو وہ اپنے مزارعین کے سامنے دہراتے رہتے ہیں۔

ان اسباب کے تدارک میں طلباء کا کردار

حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں "ہم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ہماری قوم کے نوجوانوں کی تعلیمی اٹھان اسلامی نہیں ہے تو ہم

اپنی قومیت کے پودے کو اسلام کے آب حیات سے نہیں سینچ رہے ہیں اور اپنے معاشرہ میں پکے مسلمانوں کا اضافہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ ایک ایسا گروہ پیدا کر رہے ہیں۔ جو کسی اتحادی مرکز کے نہ ہونے کی وجہ سے کسی دن اپنی شخصیت کھو بیٹھے گا۔ اور اپنے گردوپیش قوموں میں سے کسی ایک میں ضم ہو جائے گا جس میں اس کی نسبت زیادہ قوت اور جان ہو گی"

مندرجہ بالا حقائق اور تعلیمی پسماندگی کے تمام اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے' ان کے تدارک کے لئے طلباء کو درج ذیل اقدامات اٹھانے چاہئیں۔

1 - طلباء اپنی اساس یعنی اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کریں اور اپنے نصاب عمل' قرآن حکیم کو اپنے لئے منبع رشدو ہدایت بنائیں۔

2 - قرآنی ہدایات کے مطابق سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبہ میں دن رات تحقیق کریں اور قدرتی وسائل کو بہتر انداز میں استعمال کر کے ملکی و قومی ترقی کے لئے اپنی جدوجہد تیز کر دیں۔

3 - اچھے' ذہین اور مثبت سوچ رکھنے والے طلباء دولت اور سٹیٹس کو پس پشت ڈالتے ہوئے شعبہ تدریس سے وابستہ ہوں تاکہ نئی نسل کی بہتر تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کر سکیں۔

4 - کسی سیاسی جماعت کا آلہ کار بننے کی بجائے اپنی تعلیم پر بھرپور توجہ دیں۔ علمی' ادبی اور عملی سرگرمیوں میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کریں۔

5 - اپنے اوقات کا بیشتر حصہ ولمطالعہ میں صرف کریں' کتابوں سے دوستی کریں اور علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیں۔

6 - اپنے اندر تجربہ و تحقیق کی عادات ڈالیں۔ اپنی صلاحیتوں کو تحقیق کے شعبہ میں بروئے کار لا کر قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ کریں۔

7 - وطن عزیز کے اندرونی اور بیرونی' ہر دو دشمنوں پر نظر رکھیں اور اپنے آپ کو ہمہ وقت ان سے مقابلہ کے لئے تیار رکھیں۔

8- پھر اپنے اندر بندہ مومن کی صفات پیدا کریں۔

9 - خاص طور پر اپنے کردار کی بھرپور حفاظت کریں۔ میرے ایک استاد محترم نے

اپنے طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا تھا "اے میرے بیٹو! اپنے کردار کو پختہ اور عظیم رکھو۔ کیونکہ کاری ضرب فقط بے داغ کردار ہی لگا سکتا ہے۔"

جہاں علماء کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ قیمتی ہو اور جس دنیا میں "علم جاننے والا اور نہ جاننے والا دونوں برابر نہ ہوں" وہاں طلباء فورا" اپنی سمت اور رفتار کا تعین کر لیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ پڑھیں اور جانیں اور دریافت کریں۔ سوچیں' لکھیں اور تلاش کریں' خیالات میں گرمی پیدا کریں۔ سمجھیں' اٹھیں' تعمیر وطن شروع کریں' جست لگائیں اور انسانیت کے مقامات بلند پر فائز ہو جائیں' اور اپنے آباء کی کھوئی ہوئی عظمتوں کو پھر سے پا لیں۔

"صاف شفاف خیالات اور خالص صفات' جمے ہوئے قدم اور مضبوط بازو' کشادہ سینے' گڑی ہوئی نظریں بلند پیشانی' کھلے ہوئے دل' نئے پروگرام اور وسیع علم' عظیم ذمہ داریاں اور مضبوط ارادے' کوثر و تسلیم کے پانی سے دھلا ہوا ایمان اور بلند اخلاق' غیر متزلزل یقین اور روحانی قوت' کھلے ہوئے ہاتھ' رگوں میں دوڑتا ہوا گرم خون' مضبوط اعصاب' گہرے زخموں اور رحم سے بھرا ہوا دل اور جنت کو جیتنے والا ایمان---- یہ سب کچھ اگر اٹھتی جوانیوں میں شامل ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم کم وسائل اور کم تعداد کے باوجود آج کی پیاسی اور مایوس دنیا کو علم و عمل کی دولت سے بہرہ ور نہ کر دیں۔" بقول شاعر

؎ آؤ اپنے جسم چن دیں' اینٹ پتھر کی جگہ
بے در و دیوار ہے لیکن یہ گھر اپنا تو ہے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عوامی یوتھ لیگ پاکستان
کے زیر اہتمام منعقدہ کل پاکستان

مقابلہ مضمون نویسی میں اول انعام حاصل کیا

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

کیا عورت واقعی آدھی ہے؟

خدائے لم یزل نے' اس زمین پر انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ انسانوں میں جسمانی اختلاف کی وجہ سے انسان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے' مرد اور عورت۔ ان دونوں کے باہمی تعاون سے ہی یہ زندگی کا نظام رواں دواں ہے۔ عورت نصف انسانیت ہے۔ انسانیت کے ایک حصے کی ترجمانی مرد کرتا ہے تو دوسرے حصے کی نمائندگی عورت کرتی ہے۔ ازل سے دنیا میں انسانیت کی نصف آبادی ہونے کے باوجود' عورت کی ذات ہمیشہ متنازعہ رہی ہے۔ اس کے مقام و مرتبے اور اس کی حیثیت کے بارے میں دو طرح کے مکتبہ ہائے فکر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک زاویہ سوچ سے تعلق رکھنے والے لوگ عورت کو مرد سے کم تر' گھٹیا اور ادنی قرار دیتے ہیں ارسطو کہتا ہے۔

A Woman is a half man.

یعنی "عورت نصف مرد ہے یا مرد سے آدھی ہے۔" دوسری طرف کچھ لوگ عورت کو نہ صرف مرد کے مساوی قرار دیتے ہیں بلکہ وہ عورت کو مرد سے بھی اعلی گردانتے ہیں۔ بہرکیف اس تحریر بے مایہ میں ہم دونوں طبقہ ہائے فکر کے خیالات اور دلائل کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیئے! پہلے ان لوگوں کے دلائل کا جائزہ لیں جو عورت کو کم تر اور آدھی قرار دیتے ہیں۔

عورت آدھی ہے

عورت کو "نصف مرد" قرار دینے والے طبقہ فکر کے لوگ اپنے بیان کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

1- لفظ "عورت" کے معانی

سب سے پہلے آپ لفظ "عورت" کے مادہ اور معانی و مفاہیم پر غور کریں' آپ

جان لیں گے کہ عورت مرد سے کمتر اور گھٹیا ہے۔ چنانچہ "فیروز اللغات فارسی" میں لفظ "عورت" کا یہ مطلب درج ہے "ایسی چیز جس کو دیکھنے اور دکھانے سے شرم محسوس ہو۔" وارث سرہندی (مرحوم) نے اردو کی سب سے بڑی لغات "قاموس مترادفات" میں عورت کے معنی یہ درج کئے ہیں "شرم گاہ' صنف نازک' جنس لطیف' صنف لطیف" وغیرہ۔ اسی طرح سے "لغات القرآن" میں لفظ "عورت" کے مندرجہ ذیل مطالب بیان کئے گئے ہیں۔

(i) کسی ملک کی سرحد میں ایسا خلل جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ ہو۔

(ii) ایسی چیز جس کے خالی ہونے کی وجہ سے اس کو ڈھانپ کر رکھنے کی ضرورت ہو۔ (ابن فارس)

(iii) ہر وہ شے جس میں کوئی ایسا خلل یا نقص ہو جس سے خوف کا امکان ہو۔

لہٰذا آپ لفظ عورت کے ان مطالب و مفاہیم پر غور کیجئے آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ عورت مرد سے کم تر اور پست ہے۔

2- کسی عورت کا نبی یا امام نہ ہونا!

عورت کو مرد سے آدھی قرار دینے والے لوگ اپنے بیان کے حق میں ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ عورت ناقص العقل ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں کوئی عورت بھی پیغمبر یا نبی نہیں ہوئی ہے۔ اگر عورت مرد کے مساوی یا ہم پلہ ہوتی تو اسے بھی نبوت کے منصب پر فائز کیا جاتا۔ اسی طرح عورت کو نماز کی امامت کرانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ عورت مرد سے کم تر اور ادنی ہے۔

3- تمام گناہوں اور برائیوں کا مجموعہ!

عہد قدیم سے انسان کا اس بات پر یقین رہا کہ عورت تمام گناہوں اور برائیوں کا مجموعہ ہے۔

یہودیت!

یہودیت کے نزدیک "مرد نیک سیرت اور باکردار ہے جبکہ عورت بدنیت اور مکار' مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت کی حقدار نہیں اور اسی طرح مرد کی وفات کے بعد دوسری شادی بھی نہیں کر سکتی۔" (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا)

عیسائیت!

عیسائیت میں عورت کے بارے میں نظریات یہ ہیں۔

(i) مقصود بالذات تو مرد کی تخلیق تھی' عورت کو تو محض مرد کی دلجوئی کے لئے (بطور کھلونا) پیدا کیا گیا تھا۔

(ii) شیطان نے جنت میں عورت کو پھسلایا اور عورت حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوانے کا سبب بنی۔

(iii) اللہ تعالیٰ نے عورت کے اس جرم کی سزا کے طور پر فیصلہ کیا کہ وہ دردزہ سے بچے جنے۔

(iv) عورت کی فطرت کے بارے میں نظریہ یہ ہے کہ چونکہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اس لئے پسلی کی ہڈی کی طرح ٹیڑھی ہے۔ اسے سیدھا کرنا چاہیں تو یہ ٹوٹ تو سکتی ہے لیکن سیدھی نہیں ہو سکتی۔

ایک مدت تک عیسائی کلیسا میں یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ عورت میں روح بھی ہوتی ہے یا نہیں۔

ہندو دھرم

ہندو دھرم کے نزدیک تصورات یہ ہیں۔

(i) عورت اپنی مرضی سے شادی نہیں کر سکتی۔ خاوند کی وفات پر اس چاہئے کہ اپنے خاوند کی چتا میں جل کر مرجائے۔ (اس رسم کو ستی کہتے ہیں۔)

برہمن!

برہمن کے نزدیک عورت "ناقص العقل' سوچے بغیر کام کرنے والی' مکار' جھوٹ بولنے والی' بد اخلاق اور دھوکے باز ہوتی ہے۔ (برہمن ب ۲) ایک اور مقام پر

لکھا ہے کہ "شہزادوں سے تہذیب و اخلاق' عالموں سے شیریں کلامی' قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے دھوکے بازی سیکھنی چاہیے۔"

4- قانون شہادت!

قانون میں شہادت ایک اہم عنصر ہے۔ اسلام میں شہادت کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین رکھا گیا ہے۔ یعنی اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد کی گواہی اور دوسرے مرد کی گواہی کی جگہ دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہو گی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے (ترجمہ) "اور گواہ بناؤ دو مردوں کو۔ اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد او دو خواتین کو گواہ بناؤ جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا سکے۔" (سورہ بقرہ ۲۸۸) غور کیجئے! نسیان مرد کو بھی لاحق ہو سکتا ہے' مرد بھی بھول سکتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو مرد کے مقابلے میں نسیان یا بھول جانے کا زیادہ خدشہ ہے۔ اسی بناء پر لوگوں کی بہت بڑی تعداد اس بات پر متفق ہے کہ عورت مرد کے برابر نہیں بلکہ مرد سے آدھی ہے۔

5- قانون وراثت!

اسی طرح عورت کے مرد سے آدھا ہونے کے حق میں ایک اور قابل دلیل بات یہ آ جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو مرد کے مقابلے میں نصف وراثت کا حقدار قرار دیا ہے یعنی بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کو وراثت کا نصف حصہ ملے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین ○ "اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اپنے بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیوں کو نصف دو۔" (سورہ النساء آیت نمبر 11) اسی طرح بیٹی' بیوی' ماں' بہن' پھوپھی' خالہ وغیرہ کا حصہ مردوں کے مقابلے میں نصف ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت مرد کے ہم پلہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عورت کو مرد کی طرح تعدد ازدواج کے سلسلہ میں بھی وہ رعایات حاصل نہیں ہیں جو کہ مرد کو عطا کی گئی ہیں۔

چنانچہ یہ تھے وہ بیانات و دلائل جن کی بنا پر ایک مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والا

لوگ عورت کو نصف مرد قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو عورت کو مرد کے مساوی اور برابر قرار دیتے ہیں۔ آیئے ان کے دلائل اور بیانات کا جائزہ لیں۔

عورت آدھی نہیں ہے

جس طرح مرد احترام و ادب کا مالک ہے اسی طرح عورت بھی لائق احترام ہے۔ اللہ نے مرد کو کسی خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے تو عورت کی تخلیق بھی حکمت سے خالی نہیں۔ یہ دونوں اس کائنات کی مشین کو چلانے کے دو اہم پرزے ہیں اللہ تعالی نے مرد کو کچھ خاص خوبیاں اور رجحانات دے کر بھیجا ہے تو عورت کو بھی کچھ رجحانات اور دلچسپیاں عطا کی ہیں۔ مرد اگر علوم و فنون کے بہت سے شعبوں میں دلچسپی رکھتا ہے تو عورت کی دلچسپی والے بھی علوم و فنون ہیں۔ مرد میں اگر قوت' سختی اور عزیمت رکھی گئی ہے تو عورت میں بھی دلکشی' جاذبیت' رعنائی اور خلوص کا عنصر رکھا گیا ہے۔

دراصل خدائے لم یزل نے دنیا میں کسی کو بھی اپنی فیض بخشیوں سے نوازتے ہوئے بخل سے کام نہیں لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی کام کے لئے موزوں ہے۔ اور اس حقیقت کو مان لینے میں مرد اور عورت دونوں میں سے کسی کے لئے بھی ذلت اور رسوائی کی بات نہیں ہے۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ مرد بار آور کر سکتا ہے لیکن حاملہ نہیں ہو سکتا اسی طرح عورت حاملہ تو ہو سکتی ہے بار آور نہیں کر سکتی۔ چنانچہ نہ تو مرد کا حاملہ نہ ہو سکنا اس کے لئے ذلت کی بات ہے اور نہ ہی عورت کا بار آور نہ کر سکنا اس کے لئے رسوائی کی بات۔ یہ تو تفویض کار ہے اور اس کی بنیاد پر کسی کو گھٹیا اور کمتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

1- یکساں پیدائش

دوسرے مذاہب کی تعلیمات کے مقابلہ میں قرآن کی انقلابی آواز بلند ہوتی ہے اور قرآن مرد وزن کی پیدائش کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ **الذی خلقکم من نفس واحدہ** "ہم نے تمہیں ایک جرثومہ حیات سے پیدا کیا ہے" قرآن کہتا ہے

کہ انسانی زندگی کی ابتدا ایک جرثومہ حیات (Life Cell) سے ہوئی۔ اس جرثومہ حیات میں نر اور مادہ کی تمیز نہ تھی پھر جوش نمو سے یہ جرثومہ دو حصوں میں شق ہو گیا۔ **وخلق منھا زوجھا**۔ پھر ہم نے (اس جرثومے کو دو حصوں میں شق کر کے) اس کا جوڑا پیدا کیا ایک حصہ نر کے امتیازات لئے ہوئے (Spermatazoon) اور دوسرا حصہ مادہ کے خصائص لئے ہوئے (Ovum) بنا۔ پھر ان دونوں کے ملاپ سے بذریعہ تولید نسل انسانی کا سلسلہ آگے چل نکلا۔ **وبث منھا رجالا کثیرا ونساء** "اور پھر (دنیا میں) مردوں اور عورتوں کی ایک کثیر تعداد پھیلا دی" (4/1) قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی تخلیق یکساں طور پر ہوئی ہے اور ان میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔

2- بیالوجی کی تحقیق

سائنس روز بروز ترقی کے مراحل طے کر رہی ہے۔ جدید فزیالوجی نے ثابت کر دیا ہے کہ مرد اور عورت کے ذہنی خصائص بالکل برابر ہوتے ہیں بلکہ ایک سائنسدان تو یہاں تک لکھتا ہے کہ عورت کے ذہن میں احساس کے مراکز مرد کے مقابلے میں بہتر ترکیب (Better Composition) میں ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں جدید بیالوجی نے انکشاف کیا ہے کہ انسانوں میں پائے جانے والے کروموسومز کی تعداد ۴۶ ہے ان میں سے ۴۵ بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں۔

3- اعمال کا یکساں اجر و ثواب

پھر آپ قرآنی تعلیمات کا مطالعہ کر کے دیکھئے آپ کو معلوم ہو گا کہ مرد اور عورت اپنے اپنے اعمال کے خود جواب دہ اور ذمہ دار ہیں مرد جو نیکی کماتا ہے اپنے لئے اور بدی کرتا ہے تو اس کی سزا بھی اس کے لئے۔ اسی طرح عورت کی نیکی اور بدی کی جزا و سزا بھی اس کے لئے ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔ **انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض** ○ "میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ وہ عمل کسی مرد کا ہو یا عورت کا اور تم سب ایک دوسرے کے لئے ہو" (آل عمران ۱۹۵) مندرجہ بالا آیت

مبارکہ پر غور کیجئے تو یہ حقیقت صاف عیاں ہو جائے گی کہ مرد اور عورت کسی طرح بھی ایک دوسرے سے کمتر اور گھٹیا نہیں ہیں۔

4- یکساں صلاحیتیں

پھر قرآن حکیم یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ تمام انسانوں کو یکساں صلاحیتیں دی گئی ہیں اس کا بیان بڑے ہی خوبصورت انداز میں سورۃ الاحزاب میں آتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

ان المسلمین والمسلمت' والمومنین والمومنت' والقنتین والقنتت' والصدقین والصدقت' والصبرین والصبرت' والخشعین والخشعت............ مغفرت واجرا عظیما ○

"بے شک مسلم مرد اور مسلمان عورتیں' مومن مرد اور مومن عورتیں تابع فرمان مرد اور تابع فرمان عورتیں' سچے اور راست گو مرد اور عورتیں' صدقہ کرنے والے مرد اور عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور عورتیں' اللہ سے ڈرنے والے مرد اور عورتیں اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت کا وعدہ اور اجر عظیم ہے۔"

(۳۵-۳۳)

غور کیجئے! مسلمان ہونے' مومن ہونے' صبر کرنے' تابع فرمان ہونے' راست گو وغیرہ ہونے کی جملہ خوبیاں جو مردوں میں ہو سکتی ہیں' عورتوں میں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لئے عورتوں کو مردوں سے کم تر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسی لئے اقبال" نے فرمایا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
ہر اک شرف ہے اسی درج کا در مکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرار افلاطون

5- عورت کا بلند مقام

پھر اسلام نے عورت کو ماں کے روپ میں اتنا بلند اور عظیم مقام دیا ہے کہ مرد اس تک رسائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مرد سائنس دان، حاکم، سیاستدان، انجنیئر، ڈاکٹر، الغرض سب کچھ ہو سکتا ہے، لیکن ماں نہیں ہو سکتا۔ پھر "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے" یہ کہہ کر اسلام نے ثابت کر دیا کہ کتنا ہی پارسا اور عبادت گزار مرد کیوں نہ ہو اس کی ساری عبادات کا اجر و ثواب یعنی جنت تو ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

؎ فراز عرش پہ جبرائیلؑ کے قدم ہی سہی
مگر جبیں پہ تیرے در کی دھول ہے زہراؓ

پیدائش، حفاظت، پرورش اور تربیت کے لئے ماں کا محتاج ہے۔

؎ تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

محاکمہ

مندرجہ بالا دلائل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں اس نظام کائنات کے جزو ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔

اچھائی یا برائی کا معیار کردار کے ذریعے ہونا چاہئے نہ کہ جنس کے ذریعے۔

چنانچہ عورت، مرد سے آدھی نہیں ہے۔

؎ نہ بڑا نہ کوئی چھوٹا، سبھی ایک ہیں جہاں میں
ہے وہی عظیم جس نے نئی شمع اک جلا دی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قائد اعظم لاء کالج لاہور کے زیر اہتمام

منعقدہ کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی

میں اول انعام حاصل کیا

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

"پاکستان ایک ملک' ایک قوم"

پاکستان ہمارا پیارا وطن--- ہماری پاک سرزمین--- جسے ہمارے آباؤ اجداد نے لاکھوں قربانیاں دے کر حاصل کیا۔ آج اگر ہم پاکستان کا نام لیتے ہیں تو ان بزرگان باوفا کی لہو رنگ جدوجہد اور سچے جذبات ذہن کے پردے پر اجاگر ہوتے ہیں۔ اور ہمیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح پاکستان محض ایک ٹکڑہ زمین نہیں ہے بلکہ نام ہے ایک نظریے کا' نام ہے ایک قوم کی آرزوؤں کا۔ اس کی تاریخ کا مطالعہ کرنا شروع کریں تو اس کے پس منظر میں ہمیں ایک قوم کی مکمل تاریخ نظر آئے گی اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ پاکستان کی تخلیق کسی مداری کا کھیل نہیں کہ چند احتجاجی جلوسوں' مظاہروں اور چند جذباتی نعروں کے ارتعاش نے اسے تخلیق کیا ہو۔ یہ ہمارے اولوالعزم اسلاف کی جہد آزادی کی' طویل اور کربناک داستان کا ثمر ہے یہ داستان وفا' سختیوں' صعوبتوں' جانثاریوں اور عزیمتوں سے اٹی پڑی ہے۔ خون صد ہزار انجم کے بعد مسلمانوں کی تیرہ بختیوں کا پردہ شق ہوا تب کہیں جا کر آزادی صبح کی دلنواز نورانی مسکراہٹ بے نور آنکھوں کو میسر آئی۔

ذرا سے تفکر و تدبر کی ضرورت ہے سوچئے تو اس شجر سایہ دار' پاکستان کی جڑیں آپ کو اسلام کی زمین میں پیوست نظر آئیں گی۔ تحریک پاکستان محض چند سالوں کی جدوجہد کا نام نہیں بلکہ اس کی کڑیاں طائف کی اس بستی سے ملتی ہوئی معلوم ہوں گی جہاں خون پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چھینٹوں نے چراغاں کر دیا تھا۔ بطحا کی گلیوں سے اٹھنے والی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی "احد احد" کی گونج آپ کو اس کے پس منظر میں سنائی دے گی۔ بدر' احد' خندق اور خیبر کے ان میدانوں سے' کہ جہاں عشاق بلا خیز نے اپنے لہو سے لالہ و گل اگائے تھے' اس کے سلسلے ملتے نظر آئیں گے۔ میدان کرب و بلا کے تپتے ہوئے ریگ زاروں سے اس کی تاریخ پیوست نظر آئے گی کہ جہاں نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر کٹوا دیا تھا مگر توحید کے دلکش نغمے کے آہنگ کو بے آہنگ نہیں ہونے دیا تھا۔ پھر کتنے ہی عجیب اور تلخ موڑ کاٹتے کاٹتے یہ نغمہ

توحید وہ رنگ اختیار کرتا ہے کہ اصغر سودائی کے الفاظ میں یہ روپ دھارتا ہے۔

پاکستان کا مطلب کیا ـــــ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یہ نعرہ، یہ نغمہ توحید ساکنان جہاں پر یہ راز افشا کرتا ہے کہ اس نغمے کو الاپنے والوں، اس نغمے کے متوالوں اور اس کے منکروں کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہو جاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ الگ الگ قوم کے افراد بن جاتے ہیں۔ یہی وہ بات تھی جس کا اظہار تحریک پاکستان کے دوران مسلمانان ہند نے بار بار کیا۔ جس کی فقط دو ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

1 - کانگرس کی طرف سے جب مسلم لیگ اور کانگرس میں مفاہمت اور مصالحت کی بات ہوئی تو قائداعظمؒ اس مفاہمت کے لئے چند شرائط رکھتے ہیں جن میں ایک یہ بھی شامل تھی کہ کانگرس مسلمانوں کو ایک اقلیتی فرقہ نہیں بلکہ ایک قوم تسلیم کرے۔

2 - پھر 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو قائداعظمؒ نے اپنے خطاب میں فرمایا "آپ لفظ قوم کی جس انداز سے چاہیں تعبیر اور تشریح کر لیں ہر انداز سے مسلمان ایک علیحدہ قوم ثابت ہوں گے۔"

ہمارے تصور قومیت کی جیتی جاگتی تصویر ہمارا وطن پاکستان ہے۔ اس کے حصول کی جدوجہد میں برصغیر پاک و ہند کے سارے مسلمانوں نے اپنا کردار ادا کیا۔ پاک و ہند کے کسی بھی حصے میں بسنے والے مسلمان نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ کس صوبے، کس ضلعے، کس علاقے کا باشندہ ہے، وہ کون سی زبان بولتا ہے۔ سب نے مکمل طور پر اپنے قومی تشخص کا ثبوت دیا اور پھر اس یگانگت، اسی اتحاد کی بدولت اپنا آزاد وطن حاصل ہوا۔ پاکستان وہ واحد نظریاتی مملکت ہے جو اسلام کی سربلندی کے لئے معرض وجود میں لائی گئی۔ عدل، دیانت، سچائی، خداترسی، انسانی ہمدردی اور عظمت کردار۔ یہ ہیں مسلمان کے اوصاف جنہیں صحیح طور پر رائج کرنے کے لئے دنیا کے نقشے پر ایک عظیم الشان ریاست کا ظہور ہوا۔

یہ پھولوں کی بستی، یہ نکہت و رنگ کا مسکن ہے
اس کی ہر اک راہ چراغاں، کوچہ کوچہ ایمن ہے

اس کے ہر ذرے میں روشن' ایک ہلال اک تارہ ہے
پاکستان ہمارا ہے' پاکستان ہمارا ہے

(حمایت علی شاعر)

منظور حسین عباسی کی مرتب کردہ کتاب میں مطلوب الحسن سید کا بیان کردہ ایک واقعہ درج ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "جب ہم لوگ قائداعظمؒ کے ہمراہ میسور سے واپس ہوئے تو موٹر سے سفر ہوا۔ قریباً" اسی (80) میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ جب آدھا سفر طے ہو گیا تو ایک مقام پر ریلوے اسٹیشن پر طے پایا کہ چائے پی جائے۔ ہم سب وہیں اتر گئے۔ جیسے ہی ہم لوگوں کی موٹر کار رکی اور قائداعظمؒ نیچے اترے' لوگوں نے انکو پہچان لیا اور "مسلم لیگ زندہ باد" کے نعرے لگانے لگے۔ قریب ہی ایک سات آٹھ سال کا بچہ ننگ دھڑنگ کھڑا زور زور سے "پاکستان زندہ باد" کہہ رہا تھا۔ قائداعظمؒ نے اس کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور جب وہ ان کے قریب آیا تو اس سے پوچھا کہ " پاکستان کے نعرے لگا رہے ہو۔ پاکستان کیا ہے؟ کچھ اس بارے میں بھی جانتے ہو؟" بچے نے کہا "صاحب! میں اور تو کچھ نہیں جانتا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ جہاں مسلمان ہوں وہاں مسلمانوں کی حکومت اور جہاں ہندو ہوں وہاں ہندوؤں کی حکومت ہونی چاہئے۔ قائداعظمؒ نے کہا "بس یہی تو پاکستان ہے۔"

(ہمارے قائد ص 115)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کا مطالبہ مسلمانوں کے بچے بچے کے لہو میں رچا بسا تھا۔ یہ مطالبہ مسلمانوں کے خون سے تحریر ہوا اور جسم و جاں کے لاکھوں نذرانوں کے بعد 14 اگست 1947ء کو یہ دیوانے کا خواب' جواں ہمت مگر بظاہر کمزور و نحیف قائداعظم محمد علی جناحؒ کی بے لوث قیادت میں حقیقت پذیر ہوا۔ اس پاک سرزمین پر اپنی زندگی کی ایک ایک سانس لیتے ہوئے ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس کی بنیادوں میں سید احمد شہیدؒ اور سید اسماعیل شہیدؒ کا خون شامل ہے تو اقبالؒ کی سوز جگر کی تپش بھی۔ جوہر برادران کی وفا شعاریاں نہیں بھلائی جا سکتیں۔ تو چوہدری رحمت علیؒ اور نواب بہادر یارؒ جنگ کی مجاہدانہ کاوشوں کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا سر سید احمدؒ خاں کی فکری بصیرت بھی قابل داد ہے تو حالیؒ اور شبلیؒ کی علمی کوششیں بھی قابل

ستائش ہیں۔ مولانا حسرت موہانیؒ کی محنت و مشقت یاد رکھنے کے قابل ہے تو ان گمنام مرد و زن' بوڑھوں اور بچوں کی قربانیاں بھی نہیں بھلائی جا سکتیں جنہوں نے اس وطن کو اپنے لہو سے سینچا ہے۔

ڈاکٹر برہان الدین فاروقی اپنی کتاب "قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل" میں ایک خوبصورت بات لکھتے ہیں۔۔۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم تحریک پاکستان کا بغور جائزہ لیں تو پاکستان کا قیام اور اس سے متعلقہ دوسرے واقعات' مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام سے ملتے جلتے نظر آئیں گے۔ جس طرح مسلمان مکے میں اسلام دشمن قوتوں کے درمیان رہتے تھے اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں بھی مسلمان اسلام دشمن قوتوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ پھر وہاں بھی مسلمانوں نے اپنا گھربار سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کی اور مدینہ چلے گئے۔ وہاں بھی ہجرت کے وقت لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے اپنا گھربار' سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کی اور مدینہ چلے گئے۔ یہاں بھی تقسیم کے وقت لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے اپنا گھربار' رشتے ناطے' زمینیں جائدادیں چھوڑ کر ہجرت کی۔ وہاں بھی مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو ہر طرف اسلام دشمن سپر طاقتیں موجود تھیں۔ یہاں بھی اسلامی نظریاتی ریاست قائم ہوئی تو ہر طرف اسلام دشمن سپر طاقتیں موجود ہیں ایک طرف امریکہ اور روس ہیں تو دوسری طرف بھارت۔ وہاں بھی ان لوگوں کے ساتھ جنگیں ہوئیں جن کو چھوڑ کر ہجرت کی تھی یہاں بھی ان لوگوں کے ساتھ جنگیں ہوئیں جن سے علیحدہ ہو کر نیا ملک قائم کیا تھا۔ یہاں تک تو بات بالکل اسی اسلامی ریاست کے قیام کے متوازی اور بین بین چلتی ہے اور اسی وجہ سے ہمیں کامیابی اور فتح نصیب ہوتی ہے مگر اس کے بعد جونہی ہم نااتفاقی کا شکار ہوتے ہیں مسلم قومیت کا تصور ماند پڑ جاتا ہے مسلمان اور پاکستانی کہلوانے کی بجائے ہم پنجابی' پٹھان' بلوچی' سندھی وغیرہ کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں ہمارے زوال کا آغاز ہوتا ہے۔ اپنے انہی اعمال کے سبب ہمیں سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ہم سے ہمارا ایک بازو کٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے لیکن اب بھی وقت ہے کہ ہم دوبارہ ہو جائیں اور اس سرزمین کو صحیح معنوں میں پاکستان بنائیں اور اقوام عالم کو دکھا دیں کہ پاکستان واقعی

ایک عظیم ملک ہے۔ ایک عظیم قوم کا عظیم ملک

تجھ سے اے شاہ عرب ﷺ ہے یہ ہمارا وعدہ
کفر کی جیت کے سامان نہ ہونے دیں گے
کر کے چھوڑیں گے اسے خون جگر سے شاداب
تیرا گلشن کبھی ویران نہ ہونے دیں گے

آج کچھ لوگ اگر حالات کی سراسیمگی کو دیکھتے ہوئے مایوس اور ناامید ہیں تو انہیں چاہئے کہ اصلاح احوال کے لئے مل کر' متحد ہو کر کمربستہ ہوں اور جان و دل سے اپنے وطن کی سربلندی کے لئے اپنی توانائیاں صرف کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ڈپٹی کمشنر' ضلع نارووال کی طرف سے منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی (برموقع یوم پاکستان) میں اول انعام حاصل کیا

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

اے طائر لاہوتی' اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

انسانوں کی زندگی میں دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک ہے نظریہ ضرورت اور دوسرا ہے نظریہ زندگی یا نظریہ مقصدیت۔۔۔۔۔ نظریہ ضرورت کے علمبرداروں کا کہنا ہے کہ انسان کی زندگی صرف اور صرف ضروریات سے عبارت ہے ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے انسان کو سر دھڑ کی بازی لگا دینی چاہئے۔ حتی کہ ان کے لئے ہر جائزو ناجائز بھی روا رکھا جا سکتا ہے۔ ان بڑھتی ہوئی ضروریات اور ان کے حصول نے انسان کو مادیت پسند بنا دیا ہے' انسان مشینوں کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ ان ضروریات کے حصول کی دوڑ کے نتیجہ میں احساس کمتری' جرائم اور ڈیپریشن جیسی بیماریاں انسان کا مقدر بن کر رہ گئی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف نظریہ زندگی' انسان کو انسانی فکر' احساسات' نظریات اور جذبات سے روشناس کراتے ہوئے' اسے زندگی اور زندہ رہنے کا شعور دیتا ہے۔ نظریہ زندگی کے مطابق انسانی زندگی صرف ضروریات اور ان کے حصول کی جائزو ناجائز تگ و دو سے ہی عبارت نہیں ہے بلکہ اس میں ہزاروں دوسری چیزیں بھی ہیں۔ اس میں جذبات بھی ہیں' تعلقات بھی ہیں اور نظریات بھی ہیں۔

اقبال۔۔۔۔۔ صنم کدہ ہندوستان کے مشہور فلسفی اور مومن شاعر ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری میں جہاں خواب غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم کو جگانے اور ملت اسلامیہ کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے وہیں پر آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کو نظریہ زندگی اور نظریہ مقصدیت سے بھی روشناس کرایا ہے۔ آپ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے استعاراتی نمونے کے طور پر "شاہین" کا انتخاب کیا ہے۔ اقبال کو شاہین میں وہ تمام خصوصیات نظر آتی ہیں جو آپ اپنی قوم' بالخصوص نوجوانوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بلند پروازی' اندیشوں سے بے نیازی' جرات مندی' خودداری' قناعت پسندی' جوش و حرکت' والہانہ پن' اضطراب مسلسل۔۔۔۔ یہ وہ خصوصیات ہیں

جو اقبال کے نوجوان اور شاہین کی صفات جمیلہ و جلیلہ کا حسین امتزاج ہیں۔ دوسری جانب، جس شخص میں نظریہ ضرورت کے تحت پست نگاہی، بے غیرتی، خوف، جمود اور بے حمیتی پیدا ہو جائے اقبال اسے کرگس سے تشبیہہ دیتے ہیں۔

پیغام اقبال

زیر موضوع شعر میں اقبالؒ اپنے نوجوانوں کو "شاہین یا طائر لاہوتی" کے نام سے مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ نوجوان کی بلند پروازی اور بلند خیالی کا عالم یہ ہونا چاہئے کہ وہ اس رزق تک کو ترک کر دے جو اسے پستی و زوال کی طرف لے جائے۔ یہ جوہرو جذبہ اقبالؒ کے شاہین میں موجود ہے جبکہ کرگس اس جذبہ بلند پروازی و بلند خیالی سے نابلد ہے۔ اقبالؒ نے "بال جبریل" میں اس فلسفہ بلند پروازی و بلند خیالی کو اس خوبصورت انداز سے سمجھایا ہے۔

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات
اک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا
شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
یہ خوان تر و تازہ معری نے جو دیکھا
کہنے لگا وہ صاحب غفران و لزومات
اے مرغک بیچارہ، ذرا یہ تو بتا تو
تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات
افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتوی ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

آیئے! اقبالؒ کے بلند پروازی اور رزق حرام سے اجتناب سے اس فلسفہ کو سمجھنے کے لئے اس تمثیل پر غور کریں جو مرحوم واصف علی واصفؒ نے اپنی کتاب "قطرہ قطرہ

قلزم" میں بیان فرمائی ہے آپ" فرماتے ہیں۔

"کرگس و شاہین اپنی بلند پروازی کے کسی دائرے میں ایک ساتھ ہو گئے۔ وہ پاس پاس' ساتھ ساتھ' فضا میں تیرتے چلے جا رہے تھے۔ شاہین نے کہا "بھئی! دیکھو کیسی ہے یہ فضائے نیلگوں' ردائے صبح و شام' یہ وسعت نگاہ' یہ بلند پروازی اور اس کے ساتھ یہ بلند فکری و بلند نظری"---- کرگس' جو اپنے خیال میں ڈوبا ہوا نظریہ ضرورت کے متعلق سوچ رہا تھا بولا "ہاں بھئی! بلندی ہی بلندی ہے۔ لیکن بلندی اور صرف بلندی ہی تو زندگی نہیں۔ زندگی' زندہ رہنے کا عمل بھی تو ہے۔ اس میں اور بھی ضروریات ہیں۔ وسعت نگاہ اپنی جگہ پر بجا' لیکن ضرورت وجود سے کیا انکار---- یہ بلند پروازی مجھے میری ضرورت سے محروم کر رہی ہے۔ دیکھو بھئی! خالی بلندی اور خالی پیٹ ہمیں کیا دے سکتے ہیں۔"

شاہین نے کہا "دیکھو! وہ دور افق پر جھلمل جھلمل کرنے والی شے کیا ہے۔ کتنا خوبصورت ہے' یہ منظر' کتنی لطیف ہے یہ فضا۔ آؤ بھئی! ستاروں کی دنیا کے چکر لگائیں۔ آؤ دیکھیں! سورج کہاں سے نکلتا ہے کہاں ڈوبتا ہے۔ آؤ رازہائے سربستہ دریافت کریں۔ آؤ معلوم کریں کہ یہ سب کیا ہے۔ یہ آبادیاں کیا ہیں' کیوں ہیں۔ کون ہے جو ہر شے کو حرکت عطا کرتا ہے۔ کس نے سب کو اپنے اپنے محورو مدار میں جکڑ رکھا ہے آؤ تو دیکھیں اس کا اپنا مدار کیا ہے آؤ اس راز سے پردہ اٹھائیں۔"

کرگس نے شاہین کی بات سنی تو بڑے غور سے' لیکن اس بات کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی بجائے اسے اپنی مردار ہنسی کے حوالے کر دیا اور کہا "اتنی دور کی باتیں نہ سوچا کرو۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ میں کب سے بھوکا پیاسا تیرے ساتھ چکر لگا رہا ہوں اور بھوک سے مجھے خود چکر آ رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی راز نہیں۔ یہ صرف زندگی ہے اسے گزارنا ہے۔ بہر صورت زندگی صرف آگ ہے اور یہ آگ زندگی کے ہر حصے میں ہے۔ دل میں' دماغ میں' نفس میں اور سب سے بڑھ کر پیٹ میں---- پیٹ کی آگ کو بجھانا آسمانوں کی پرواز سے بہتر ہے۔ یہ بلند پروازیاں مہمل ہیں' اگر پیٹ خالی ہو---- تم ستاروں اور سورجوں کا کھوج لگاؤ۔ وہ تمہاری منزل ہو گی۔ میری منزل میری نظر کے سامنے ہے۔ وہ دیکھو ایک مرا ہوا گھوڑا پڑا ہے۔ میری برادری کے لوگ

جمع ہو رہے ہیں اس لئے میں بھی نظریہ ضرورت کے تحت اپنی منزل کی طرف چلا ہوں۔ تجھے اور تیری پرواز کو خدا حافظ"

یہ کہتے ہوئے کرگس نے ایک سیدھا غوطہ زمین کی طرف لگایا اور "آناً" فاناً" اپنی منزل مردار تک پہنچ گیا اور شاہین بدستور راز ہائے سربستہ کی تلاش میں' بلند سے بلند تر کی جستجو میں' وحدت و یکتائی خیال کے تصور میں' زندگی اور ماورائے زندگی کو جاننے کی آرزو میں سرگرداں ہے۔ وہ عالم تحیر میں گم ہے اس کے سامنے صرف فاصلے اور وسعتیں ہیں اور وہ پرواز میں ہے۔ اس کی منزل؟—— وہ منزلوں سے بے نیاز ہے۔ منزل قید ہے اور پرواز آزادی ہے اور یہی اقبالؒ کا مدعا ہے۔

زیر غور شعر میں اقبالؒ' طائر لاہوتی کو خطاب کرتے ہوئے' دراصل اپنی قوم کو مندرجہ ذیل پیغامات دینا چاہتے ہیں۔

1- خودداری و خودی

اقبالؒ نے اپنی قوم کے نوجوانوں کو اپنی خودی پہچاننے اور خودداری و غیرت کی زندگی بسر کرنے کا پیغام دیا ہے۔ آپؒ اپنے نوجوانوں کی خودی کو اس قدر بلند دیکھنا چاہتے ہیں کہ تقدیر' انسانی رضا کے زیر نگیں آ جائے۔ ایسی خودی جو ہواؤں' فضاؤں' سیاروں' ستاروں اور پوری کائنات کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اور جو انسان کو اوج ثریا تک لے جائے۔ اقبالؒ بار بار مختلف الفاظ میں اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ خودی ایک نور ہے جس سے انسان میں شعورو آگہی کی شمعیں روشن ہوتی ہیں درحقیقت یہی نور انسان کو مقام بلندی پر فائز کرتا ہے۔ چنانچہ اقبالؒ جابجا مختلف انداز میں خودی کی عظمت کو اجاگر کرتے ہیں آپؒ فرماتے ہیں۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد
ناچیز جہان مہ و پرویں تیرے آگے
وہ عالم مجبور ہے' تو عالم آزاد
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

پر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرہ افتاد

ایک اور مقام پر خودی کی شان ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

2- جرات مندی

زیر نظر شعر اور موضوع میں بالخصوص ـــــ اور اپنی تمام تر آفاقی و عالمگیر شاعری میں بالعموم اقبالؒ اپنی قوم کو جرات مندی اور بے باکی کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپؒ اپنی قوم کے افراد کو جرات مند، باہمت، پرعزم اور طاقت ور دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپؒ کے نزدیک جرم ضعیفی کی سزا، مرگ مفاجات ہے۔ آپؒ ایک ایسے طاقتور مسلمان کو اپنا منتہائے نظر مانتے ہیں جو "بے تیغ" بھی لڑنے کے لئے تیار ہو۔ جس کی سپر، اس کی عقل اور تلوار اس کا عشق ہو، جو تلواروں کی چھاؤں میں کلمہ پڑھنا جانتا ہو۔ وہ موت کو زندگی کا اختتام سمجھنے کی بجائے، اسے حیات کا ایک زینہ سمجھتا ہو۔ چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں۔

زندگی ہے صدف، قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

3- حرکت و عمل

شاہین، اقبالؒ کا آئیڈیل اور پسندیدہ اس لئے بھی ہے کہ وہ مسلسل حرکت و عمل پر یقین رکھتا ہے۔ اقبالؒ، جھپٹنے، پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کو لہو گرم رکھنے کا بہانہ قرار دیتے ہوئے یہ سبق دیتے ہیں کہ زندگی حرکت کے بغیر موت ہے۔ اقبالؒ کی کائنات

حرکت و عمل' امید' روشنی اور جوش و ولولے کی کائنات ہے جو مایوسی' تاریکی اور بے عملی و جمود کے الفاظ سے بیگانہ ہے۔

؎ سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی

(بال جبریل)

اور ؎ ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

(بال جبریل)

سچ تو یہ ہے کہ جس قوم میں بحیثیت مجموعی حرکت کا عمل رک جاتا ہے۔ اور وہ قوم جمود کا شکار ہو جاتی ہے تو پھر اس قوم کو تباہی و بربادی سے کوئی نہیں بچا سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انسانوں میں انفرادی سطح پر بھی حرکت و عمل کے اسی اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا' کہ "جس شخص کا آج' اس کے (گزرے ہوئے) کل سے بہتر نہیں ہے' اس نے بہت کچھ کھو دیا ہے" یہی بات ہے جو انسان کو خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رکھتی ہے اور یوں انفرادی و اجتماعی ترقی و ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔

4- بلندی

فکر اقبالؒ میں بلندی کا تصور آپ کو جا بجا ملے گا۔ آپؒ کے ہاں بلندی کا تصور مقصدیت اور افادیت کا حامل ہے۔ یہ بلند پروازی' بلند خیالی اور بلند نظری اہل زمین کے لئے فلاح و بہبود کا باعث ہے۔ بلندی سے مراد بلند مقصد حیات بھی ہے اور بلند مقام بندگی کا حصول بھی۔ خیالات و افکار کی بلندی بھی مطلوب ہے اور عمل صالح کا بلند معیار بھی مقصود ہے۔ بندہ مومن کے کردار میں ایسی بلند خیالی اور حکمت و دانش درکار ہے جو اسے قوموں کی امامت کے قابل بنا دے۔ چنانچہ شاعر مشرق علیہ رحمتہ فرماتے ہیں۔

؎ رہنے دے جستجو میں خیال بلند کو
حیرت میں چھوڑ دیدہ حکمت پسند کو

اصل میں آپؒ کے ہاں مومن کا وصف ہی یہ ہے کہ وہ مقام بلند پر فائز ہوتا ہے۔ وہ آفاقی و عالمگیری تصور حیات کا مالک ہوتا ہے۔ آفاق میں گم ہونے کی بجائے' اپنے اندر آفاق کو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ ستاروں اور سیاروں کو منزل سمجھنے کی بجائے گرد راہ یا چراغ راہ سمجھتا ہوا آگے گزر جاتا ہے اور اس کے لئے

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں — یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر — چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا — تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

5- اندیشوں سے بے نیازی

اقبالؒ کے شاہین کی ایک اور خصوصیت اور اقبالؒ کے نوجوانوں کے کردار میں مطلوب ایک اور نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ اندیشوں سے بے نیاز ہوں۔ مصلحت پسندی اور مصلحت کوشی کی بجائے' مناسب وقت پر کاری ضرب لگانا ان کے کردار کا خاصہ ہو۔ ڈرنے' دبنے' خوفزدہ ہونے کی بجائے ان کی ہمت و جرات کا یہ عالم ہو کہ وہ موت سے بھی لڑ جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔ وہ غیرت و حمیت کا پیکر ہوں اور اپنے "یقین" کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے ہوئے کائنات کو تسخیر کرتے چلے جائیں۔ اقبالؒ اندیشوں سے بے نیاز' غیرت مند' پرعزم اور اہل یقین افراد کو خدا کا دست و بازو قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کی منزل ستاروں سے بھی آگے ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو' زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل! کہ مغلوب گماں تو ہے

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

6- رزق حرام سے اجتناب

زیر موضوع شعر میں اقبالؒ اپنی قوم کو جو ایک اور اہم پیغام دینا چاہتے ہیں وہ

ہے رزق حرام و مردار سے اجتناب اور باوقار و حلال رزق کا حصول۔ اقبالؒ اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ جس شخص کو رزق حرام کھانے کی عادت پڑ جائے اس کی آئندہ نسلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کسی قوم میں مجموعی طور پر اگر رزق حرام کھانے کی عادت پڑ جائے تو وہ قوم ذلتوں اور تباہیوں کے ایسے گڑھوں میں جا گرتی ہے کہ جہاں غلامی اور زوال اس کا مقدر ہو جاتے ہیں۔ رزق حرام کھانے سے وراثت پر ایسے تباہ کن اثرات مترتب ہوتے ہیں کہ آنے والی نسلیں مایوس' معذور' پاگل' بے حس' ذہنی بیمار' بے غیرت اور بے حمیت پیدا ہوتی ہیں۔ اقبالؒ اپنی قوم کو انہی بیماریوں سے تو بچانا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ قوم کو رزق حلال' فقر اور قناعت پسندی کی تعلیم دیتے ہیں اور یہی آپؒ کے شاہین یا طائر لاہوتی کے کردار کا اہم عنصر ہے کہ وہ نہ ہی مردار کھاتا ہے اور نہ ہی کسی کا مارا ہوا شکار کھاتا ہے۔ چنانچہ شاعر مشرقؒ "ساقی نامہ" میں فرماتے ہیں۔

خودی کے نگہباں، کو ہے زہر ناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند
فرو فال محمود سے درگذر
خودی کو نگہ رکھ' ایازی نہ کر

پیام اقبالؒ ____ عالم اسلام اور پاکستان

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے پیغام کا مختصر سا مطالعہ کرنے کے بعد آیئے! جائزہ لیں کہ عالم اسلام اور پاکستان میں مسلمان' اقبالؒ کے اس پیغام پر کس حد تک عمل پیرا ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اس بات کا جائزہ لیتے ہوئے ندامت و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ سارے کا سارا عالم اسلام' اقبالؒ کے ان حیات آفریں پیغامات سے کوسوں دور ہے۔ اقبال علیہ رحمتہ ہمیں خودی و خودداری کا سبق دیتے ہیں جبکہ

تمام مسلم ممالک' اس وقت ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خودداری' جرات' بہادری اور غیرت نام کو نہیں ملتی۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی عبادت گاہیں مسمار ہو رہی ہیں' مسلم ممالک پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں' مسلمانوں کے جان' مال اور عزت محفوظ نہیں ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا قبلہ اول آزاد نہیں ہے۔ فلسطین' کشمیر' بوسنیا' چیچنیا--- ہر جگہ مسلمانوں کی عزتیں پامال کی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کو بے نام و نمود کیا جا رہا ہے۔ مسجدوں' مزاروں اور دوسری عبادت گاہوں کو جلایا جا رہا ہے مگر بے غیرتی اور بے حمیتی کا یہ حال ہے کہ مسلمانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ نہ جذبہ جہاد ہے اور نہ ہی اتفاق و اتحاد---- جوش و حرکت ہے اور نہ ہی جذبہ عمل۔

"بلند پروازی و بلند نظری" کا عالم یہ ہے کہ پوری دنیائے اسلام جہالت کے اندھیروں میں غرق ہے---- نہ تحقیق و جستجو ہے نہ دشمنان اسلام کے خلاف کوئی مشترکہ لائحہ عمل ہے۔

پاکستان ہی کی مثال لیجئے!---- "خودی و خودداری" کا حال یہ ہے کہ دنیا کے مقروض ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ ہمارا وطن محض نام کا آزاد رہ گیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ہماری پالیسیاں' ہمارے منصوبے کسی اور کے اشاروں کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ حکمران طبقہ نہ صرف یہ کہ خود بکا ہوا ہے بلکہ پوری قوم کو بیچ کر کھا رہا ہے۔ قرضوں کے عوض ہماری آزادی اور غیرت کے سودے ہو رہے ہیں۔ ہر پاکستانی لاکھوں روپوں کا مقروض ہے۔ ایسے میں خودی و خودداری کیا رہے اور بلند پروازی و بلند خیالی کہاں سے آئے؟---- جوش و عمل کا کیا تذکرہ اور رزق حلال کی کیا بات؟

؎ بے وقار آزادی ہم غریب ملکوں کی

سر پہ تاج رکھتے ہیں بیڑیاں ہیں پاؤں میں

حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں شاہین و کرگس موجود ہیں۔ فوج میں---- خالد بن ولیدؓ' صلاح الدین ایوبیؒ' محمد بن قاسمؒ سے لے کر عزیز بھٹی شہیدؒ اور راشد منہاس شہید جیسے لوگ بھی ہیں اور جعفر و صادق بھی کم نہیں---- علماء میں---- علمائے حق بھی ہیں اور علمائے سوء بھی۔ سیاست میں---- جناحؒ' حسرت

موہانیؒ اور جوہرؒ برادران جیسے حق پرست و اصول پسند سیاست دان بھی ہیں اور آج کی طرح کے لوٹنے' بکنے اور پھرنے والے لوٹے اور کھوٹے بھی۔

اہل سیاست کے پاس پہلے ہی قوم کو دینے کی کوئی شے نہیں ہے اور نہ ہی انہیں قوم کو کچھ دینے کی عادت ہے۔ وہ تو صرف مانگنا جانتے ہیں---- ووٹ۔ یا پھر چھیننا جانتے ہیں---- غریب عوام کے حقوق اور آزادی' مذہبی قیادتوں کا حال یہ ہے کہ ساری زندگی صدقہ و خیرات اور زکوۃ کی روٹیاں کھاتے کھاتے ان کی خودداری و غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور اقبالؒ ہی کے الفاظ میں

گلہ تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خلاصہ کلام

ان حالات میں اصلاح احوال اور لا الہ کی صدا کو پھر سے بلند کرنے کے لئے اور حضرت اقبالؒ کے خواب کی تعبیر' تعمیر' تفسیر اور تکمیل کے لئے کسی شاہین کا میسر آنا نہایت ضروری ہے ورنہ سیاست' مذہب' فوج' انتظامیہ اور زندگی کے ہر شعبے میں پھیلے ہوئے کرگسوں کے لئے یہ وطن ایک لقمہ تر ہے جسے یہ ہجوم کرگساں کھا رہا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب' خاکم بدہن' یہ لوگ اسے مکمل طور پر نگل جائیں گے۔ بقول واصف علی واصف

یہ ہجوم کیسا وطن میں ہے
میری قوم نوچی گئی ہے کیوں

ہمہ لیڈراں ہمہ کرگساں
کہ الگ بدن سے ہیں ہڈیاں

میرے وطن کی خیر، میری انجمن کی خیر
کرگس کے اژدہام کی زاغ و زغن کی خیر
برق تجلیات کی رنگ چمن کی خیر
جلتے ہوئے نشیمن، سرو و سمن کی خیر
یہ آرزو کا خون ہے، واصف برا نہ مان
آتی نہیں نظر مجھے چرخ کہن کی خیر

(شب راز)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کل پاکستان سلطان صلاح الدین ایوبیؒ مقابلہ مضمون نویسی میں ادیب اساتذہ اور صحافیوں کے زمرے میں تیسری پوزیشن حاصل کی

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

نیو ورلڈ آرڈر اسلامی دنیا کے خلاف سازش ہے

اگر ماضی کے آئینے میں جھانک کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح نظر آئے گی کہ یہود و نصاریٰ' اسلام دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ آج کے اس نام نہاد ترقی یافتہ دور میں بھی یہ دشمنی کچھ کم نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں پر در ستم وا کرنے کے مختلف اور "جدید" طریقے اپنائے جا رہے ہیں۔ آج کا سب سے زیادہ زیر بحث اور اہم موضوع "نیو ورلڈ آرڈر——— نیا عالمی نظام" بھی اسی اسلام دشمنی کی ایک کڑی ہے۔ لیکن یہ بات دلائل و براہین کے ذریعے واضح کرنے سے پہلے کہ آیا نیو ورلڈ آرڈر واقعی مسلم دنیا کے خلاف سازش ہے یا نہیں یہ بات واضح کرنا نہایت ضروری ہے کہ آخر یہ نیو ورلڈ آرڈر ہے کیا؟

نیو ورلڈ آرڈر کیا ہے؟

سب سے پہلے' ایک عام استعمال ہونے والی اصطلاح "صیہونیت" کا ادراک' نیو ورلڈ آرڈر کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ شہر یروشلم دو متوازی پہاڑیوں اور ان کے درمیان وادی پر آباد ہے۔ ان میں سے ایک مغربی پہاڑی کا نام "صیہون" ہے۔ ایک عرصہ پہلے اسی صیہون نامی پہاڑی کے غار میں پندرہ سرکردہ' امیر ترین یہودیوں کی بیٹھک ہوئی جو مسلسل تین دن تک جاری رہی۔ یہاں جمع ہونے کا مقصد اس امر پر صلاح و مشورہ کرنا تھا کہ ہم دولتمند تو ہیں مگر تعداد میں تھوڑے ہیں۔ پھر وہ کون سے طریقے اپنائے جا سکتے ہیں جن کی مدد سے ہم دولت کے بل بوتے پر پوری دنیا پر غالب آ جائیں۔ تین دن کے مسلسل اجلاس کے بعد جو منشور تیار کیا گیا وہ پورے کا پورا بیان کرنا اس مضمون کی حدود سے تجاوز کرنے والی بات ہے۔ ہاں البتہ اس منشور کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ طے یہ پایا کہ اپنی بے شمار دولت کو استعمال کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائے جائیں اور پوری دنیا کو اپنے قبضے میں لے لیا جائے

1۔ جلسے کے ذریعے لوگوں کو مفلوج کرنا۔

- خوبصورت خواتین کے ذریعے بڑی بڑی شخصیات کو قابو کر کے ان کی ذہنی قوت کو ختم کر دینا۔
- پراسرار طریقے سے اہم شخصیات کا قتل
- دولت کے ذریعے دنیا بھر میں اپنے نظریات کا فروغ---- وغیرہ وغیرہ

اسی طرح کے نکات پر مشتمل ایک طویل لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ اور فیصلہ ہوا کہ ان افراد میں سے کوئی شخص بھی سات سال تک اس راز کو فاش نہیں کرے گا۔ تاآنکہ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر لی جائے۔ مگر صرف تین سال کا عرصہ گزرنے کے بعد ہی ان میں سے ایک شخص نے اس راز کو فاش کر دیا اور یوں دنیا بھر کے ممالک اپنے خلاف ہونے والی گہری سازش کو پہچان گئے اور انہوں نے اپنے اپنے ممالک میں ان عوامل کے خلاف مناسب سدباب شروع کر دیا۔ چنانچہ منشیات پر قابو پایا جانے لگا' ان یہودیوں کے نظریات پر مشتمل مواد اور لٹریچر پر پابندیاں لگیں اور اسی طرح بہت سی ایسی تدابیر اپنائی گئیں جو اس سازش کی ناکامی کا باعث بن سکتی تھیں۔ دوسری طرف یہودیوں کو اپنے منصوبے کی ناکامی کا شدید افسوس ہوا۔ چنانچہ وہ زخمی سانپ کی طرح پلٹے اور اپنی فطرت کے تحت ایک نئی چال تیار کرنے کا عہد کیا اور اس دفعہ یہ لائحہ عمل اپنایا کہ دنیا کو ایک نیا عالمی نظام دیا جائے جس کے تحت پوری دنیا کو چھوٹے چھوٹے خطوں میں منقسم کر کے ممالک کی اجتماعی قوت کو ختم کر دیا جائے اور دنیا کے تمام ممالک کو معاشی' اقتصادی' دفاعی اور انتظامی لحاظ سے اپنی گرفت میں لے لیا جائے۔

نیو ورلڈ آرڈر امریکہ اور اس کے ساتھی یورپی ممالک کے نزدیک کیا ہے جس کی وہ تشہیر کر رہے ہیں تاکہ ہم باسانی اپنے مطلوبہ ہدف تک پہنچ سکیں۔ امریکہ اور اس کے ساتھی ممالک کے نزدیک نیو ورلڈ آرڈر مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

1- ہر ملک میں' افواج اس ملک کی جغرافیائی حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے رکھنے کی اجازت دی جائے گی۔
2- ملکی دفاع اور افواج کو بڑھانا اور ترقی دینا کسی ملک کی اپنی مرضی سے نہیں ہو گا بلکہ ایسا صرف انٹرنیشنل کیمونٹی کی اجازت سے کیا جا سکے گا۔

3 - ایٹمی ہتھیاروں میں کمی کی جائے گی اور انہیں ممکنہ حد تک ختم کیا جائے گا۔

4 - کسی ملک میں سیاسی دائرہ کار سے متعلق کوئی تبدیلی' باضابطہ رائے دہندہ طریقہ سے ہٹ کر عمل میں نہیں لائی جائے گی۔

5 - Forms of National Government یعنی جمہوریت' صدارت' مارشل لا اور پارلیمانی نظام وغیرہ جو بھی نظام کسی ملک میں رائج ہو سکتا ہے اس کا فیصلہ حکمرانوں کی مرضی کی بجائے عوام کی مرضی سے ہو گا۔

6 - مختلف مارکیٹوں' بین الاقوامی تجارتی مراکز اور تجارتی کالونیوں میں ہر قسم کی اقتصادی آزادی ہو گی البتہ ان میں بھی فیصلہ کن حیثیت انٹرنیشنل کیمونٹی کے پاس ہو گی۔

خلاصہ : ان چھ نکات پر مشتمل نیوورلڈ آرڈر کا خلاصہ امریکہ اور اہل یورپ ان دو نکات میں پیش کرتے ہیں۔

1 - اسلحہ پر قابو : Arms Control

2 - عالمی امن : World Peace

لیکن یہ سب برمبنی حقیقت نہیں ہے۔ یہ ہاتھی کے دانت ہیں جو بصری و ذہنی دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ دراصل وہ پوری دنیا کو دفاعی و انتظامی طور پر اپنی مٹھی میں بند کر لینا چاہتے ہیں۔ غور کیجئے کہ ملکی افواج اور دفاع کا فیصلہ کسی ملک کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہو گا کہ ہمیں اتنا اسلحہ' اتنی نفری چاہئے بلکہ اس کے لئے اسے دوسروں کا مرہون منت ہونا پڑے گا۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ ہماری جنگ ہمارے روایتی حریف بھارت سے ہوتی ہے۔ اور ہمارے ملک کے سربراہ' فوج یا عوام اپنے دفاع کے لئے بہتر سمجھیں کہ ہمارے پاس اتنی نفری ہو' اتنے ٹینک' اتنے جہاز ہوں تو ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے ہمیں انٹرنیشنل کیمونٹی سے اجازت لینی ہو گی اس کے علاوہ اقتصادی منڈیوں اور پوری دنیا کی معیشت پر امریکہ اپنے قبضے کے خواب دیکھ رہا ہے اور ان خوابوں کی تعبیر نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعے چاہتا ہے۔

ضرورت

مندرجہ بالا بحث کے ذریعے نیوورلڈ آرڈر کو سمجھ لینے کے بعد اب سوال یہ پیدا

ہوتا ہے کہ آخر اس نیو ورلڈ آرڈر کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس سلسلے میں درج ذیل نکات خصوصی طور پر توجہ کے طالب ہیں۔

1 - یہ سب کے علم میں ہے کہ دنیا میں دو ہی سپر طاقتیں تھیں' امریکہ اور روس۔ روس تو اب ویسے ہی بطور سپرپاور ختم ہو چکا ہے۔ لیکن پچھلے کئی سالوں سے سپر طاقتیں ہونے کے باوجود یہ دونوں ملک دنیا میں اپنی مرضی اور خواہش کا نظام نہ چلا سکے' اپنی انتھک کوششوں کے باوجود دنیا میں اپنی من مانی نہ کر سکے مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱ ۔ 1975ء میں سالہا سال کی جنگ کے بعد امریکی فوجوں کو ویت نام میں شکست ہو گئی۔ امریکہ وہاں اپنی من مانی نہ کر سکا۔

۲ ۔ 1978ء میں ایرانی انقلاب آیا جس سے امریکی مفادات کو سخت نقصان پہنچا۔ بہت سی کوششوں کے باجود امریکہ اس ریلے کو نہ روک سکا۔

۳ ۔ 1988ء میں دس سال کی جنگ کے بعد روس افغانستان سے پسپہ ہو کر نکل گیا۔

۴ ۔ جرمنی متحد ہو گیا۔

۵ ۔ مشرقی یورپ میں تبدیلیاں اور انقلابات آئے۔

الغرض سپر طاقتیں دنیا پر اپنی مرضی کا نظام مسلط کرنے میں ناکام رہیں۔ اور انہیں اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ دنیا ہمارے ہاتھوں سے نکلتی جا رہی ہے' براہ راست ہمارا تسلط ختم ہوتا جا رہا ہے چنانچہ اب دنیا کو ایک نظام دیا جائے اور اس کے ذریعے دنیا کو اپنے قبضے' اپنی گرفت میں لے لیا جائے۔

2 - امریکہ نے محسوس کیا کہ روس تو منتشر ہو چکا ہے اب بجائے اس کے کہ میں ہی اکیلا ساری دنیا کا "نواب" بنتا چند اور ممالک بھی (Centers of Power) یا سپرپاور کے طور پر سر اٹھا رہے اس کے لئے بھی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱ ۔ جرمنی کے متحد ہو جانے سے یورپ میں جرمنی کے امکانات ہیں کہ وہ ایک بڑی طاقت بن جائے۔

۲ ۔ جاپان صنعتی اعتبار سے امریکہ کو بھی مات دے گیا ہے۔

۳ ۔ اسی طرح چین‘ فرانس‘ برطانیہ وغیرہ معاشی اور اقتصادی طور پر طاقتیں بن گئیں تو امریکہ کے لئے یقیناً" خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ دنیا کو ایک نیا عالمی نظام دیا جائے اور اسے سیاسی‘ معاشی اور دفاعی اعتبار سے اپنے قبضے میں لے لیا جائے۔

مقاصد

نیو ورلڈ آرڈر کا بغور مطالعہ کرنے سے مندرجہ ذیل سازشی عزائم اور مقاصد نظر آتے ہیں۔

1 - امریکہ کا عالمی "قائدانہ" کردار برقرار رہے۔

2 - تیسری دنیا کے وسائل پر جرمنی‘ جاپان یا یورپ کا اثرو رسوخ قائم ہونے کی بجائے امریکہ کو کنٹرول حاصل رہے۔

3 - آئی۔ ایم۔ ایف‘ ورلڈ بنک‘ آئی۔ پی۔ آر۔ ڈی اور گیٹ جیسے عالمی اقتصادی ادارے قائم کئے جائیں جو عالمی اقتصادیات پر امریکی کنٹرول کو وسیع کریں۔

4 - تیسری دنیا اور اسلامی ممالک کے ان شہروں کا معیار زندگی بلند کرنا جہاں پر غربت و افلاس کے سبب انقلابات پھوٹ سکتے ہیں۔

5 - بڑے بڑے ممالک چین‘ جرمنی اور جاپان وغیرہ امریکہ کے لئے چیلنج بن سکتے ہیں ان کی جغرافیائی توڑ پھوڑ کر کے روس کی طرح چھوٹے چھوٹے ممالک میں بدل دیا جائے۔

6 - عالمی صنعت کی توانائی یعنی تیل وغیرہ پر براہ راست فوجی کنٹرول مضبوط کرنے کے لئے اسلامی ممالک میں مستقل اڈے قائم کئے جائیں۔

7 - اسلامی ممالک کے درمیان باہمی‘ فوجی معاہدات نہ ہونے دئے جائیں۔

8 - اسلامک ممالک کو ایٹمی قوت یا مضبوط فوجی طاقت نہ بننے دیا جائے۔

9 - اسلامی ممالک کو صرف نام کا اسلامی ملک رہنے دیا جائے اور مختلف طریقے اپنا کر وہاں اسلام کی بالادستی کو روکا جائے۔ بقول شاعر مشرق"

؎ فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

نیو ورلڈ آرڈر---- اسلامی دنیا کے خلاف سازش

مندرجہ بالا تمام گفتگو اور بحث کا مقصد' ایک اہم نکتے پر پہنچنے کے لئے صاف اور واضح راستہ بنانا تھا اور قارئین کے لئے اس بات کا ادراک آسان بنانا تھا کہ نیو ورلڈ آرڈر' دراصل اسلامی دنیا کے خلاف ایک سازش ہے۔ یہ کوئی ادبی و شعری بحث تو ہے نہیں کہ قاری کو خوبصورت اور دلکش الفاظ کی بھول بھلیوں میں الجھا کر مطلب کی بات کہہ دی جائے۔ یہ تاریخ ہے' حالات ہیں جنہیں ہمیشہ برمبنی صداقت ہونا چاہیے۔ مندرجہ بالا تمام حقائق کی روشنی میں خود قارئین' نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعے ہونے والی ''اسلام دشمن سازش'' کو جان گئے ہوں گے لیکن آیئے! تھوڑی سی وضاحت اور سہی۔

1- پریسلر ترمیم

موجودہ صورتحال میں امریکی صدر گارنٹی کا ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے کہ میں فلاں ملک سے مطمئن ہوں کہ وہ ایٹمی طاقت حاصل نہیں کرے گا لہٰذا اسے امداد دی جائے۔ عام اصطلاح میں اسے پریسلر ترمیم کہتے ہیں۔ اسی ترمیم کے تحت' پاکستان پر ایٹمی طاقت حاصل کرنے کا الزام لگا کر پاکستان کی امداد روک دی گئی۔ جبکہ ماضی قریب کی اطلاعات کے مطابق بھارت کو اس ترمیم یا اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ بھارت چاہے ایٹمی قوت حاصل کر لے اسے بلا شرط امداد دی جائے گی۔ اہل خرد کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ ایسا کیوں ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ ایک طرف اسلامی ملک ہے جس سے عالم اسلام کی دم توڑتی امیدیں وابستہ ہیں جبکہ دوسری طرف پاکستان دشمن بلکہ اسلام دشمن بھارت ہے۔ یہ اسلامی دنیا کے خلاف سازش کی ایک واضح مثال ہے۔

2- خلیج کی جنگ

امریکہ اور یورپی ممالک کی اسلام دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے خلیج کی جنگ کا ذکر

ناگزیر ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر میں امن و سلامتی کی بات کرنے والے دنیا کے نام نہاد "سردار" جس قدر شدومد سے خلیج کی جنگ میں شریک ہیں اس سے دنیا واقف ہے۔ یہ سوال بجا طور پر پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا امن قائم رکھنے کے لئے گفت و شنید کے تمام ذرائع استعمال کر لئے گئے تھے؟

ہم کسی طور پر بھی صدام حسین کے اگست 1990ء کے اقدام کو درست قرار نہیں دے رہے لیکن مدعائے سخن صرف یہ ہے کہ اگر جمہوریت کا نعرہ لگایا جاتا ہے تو قانون کی گرفت سب کے لئے یکساں ہونی چاہئے۔ سوال تو یہ ہے کہ چند سال پہلے خود امریکہ نے ایک نہایت ہی کمزور اور چھوٹی ریاست گرنیڈا پر حملہ کر کے تلوار کی نوک پر اس کی جائز قانونی حکومت کا تختہ کیوں الٹ دیا تھا؟ اس وقت اقوام متحدہ کا ضمیر کیوں نہ جاگا؟ اور اقوام متحدہ اس چھوٹی سی ریاست کی چیخ و پکار کیوں نہ سن سکی؟

یہ بھی بجا طور پوچھا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے امریکہ نے پانامہ کی چھوٹی سی ریاست پر حملہ کس بین الاقوامی قانون کے تحت کیا تھا؟ اس وقت اقوام متحدہ نے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا؟ صرف اس لئے کہ ان تمام واقعات کے بعد امریکہ پر حرف آتا تھا جو کہ سب سے بڑا اسلام دشمن ہے۔ البتہ خلیج کی جنگ میں تباہی کا نشانہ بننے والے دو نہیں تین اسلامی ممالک تھے۔ ستم بالائے ستم دیکھئے کہ ہم میں سے ہی کچھ لوگ ان ظالموں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ حکیم الامت" پوچھتے ہیں۔

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ' یورپ سے درگزر

(ضرب کلیم)

•

3- یوں بھی ہوتا ہے

طرفہ تماشہ دیکھئے کی چین نے الجزائر اور پاکستان کو جدید اسلحہ اور میزائل دینے کا

معاہدہ کیا تو امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت چین پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ یہ معاہدہ منسوخ کر دے البتہ خود اگر اسرائیل اور بھارت کو "نوازا" جائے تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مغربی جرمنی نے ایران سے ایٹمی پاور پلانٹ کا معاہدہ کیا۔ ستم ملاحظہ ہو کہ ایران' جرمنی کو اس معاہدہ میں رقم کی ادائیگی بھی کر چکا تھا۔ باوجود اس کے امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر کے تحت جرمنی پر دباؤ ڈال کر یہ معاہدہ منسوخ کروا دیا۔ الجزائر' پاکستان اور ایران کا قصور یہ کہ وہ اسلامی ممالک ہیں جبکہ اسرائیل اور بھارت کی "خوبی" یہ کہ یہ اسلام دشمن طاقتیں ہیں۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن' اندروں چنگیز سے تاریک تر

4- سی۔ این۔ این

دوسری طرف غور کیجئے' سی۔ این۔ این مسلم دنیا کے خلاف آپ کو گہری سازش کے طور پر نظر آئے گا۔ یورپ سے ہو کر آنے والے لوگ کہتے ہیں کہ یورپ میں سی۔ این۔ این چوبیس گھنٹے دنیا کی خبریں نشر کرتا ہے اسی سی۔ این۔ این کو وہاں پہ استعمال کر کے اپنے عوام اور طلباء کو باخبر رکھا جاتا ہے جبکہ یہی سی۔ این۔ این جب پاکستان یا کسی مسلم ملک کو دیا جاتا ہے تو اسے اس ملک میں فحاشی' عریانی اور بدکرداری پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسے بجا طور پر نیو ورلڈ آرڈر کا ایک حصہ اور اسلامی دنیا کے خلاف گہری سازش کہا جا سکتا ہے۔

5- تیل پر قبضہ

اسلامی ممالک میں پائے جانے والے تیل پر دشمن کی چالاک اور مکار نظر ہمیشہ سے ہی رہی ہے کیونکہ یہی تیل اس کی ترقی میں مدد دینے والی مشینوں کے لئے روح رواں کا کام دیتا ہے۔ سعودی عرب میں مستقل اڈے کا قیام اسی سازش کی ایک کڑی ہے لیکن مسلم دنیا کے رہنما یوں عیش و عشرت میں پڑے ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر جلا بیٹھے ہیں۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

(اقبالؒ)

حقیقت تو یہ ہے کہ امت رسول مرسل ﷺ شدید خطرات میں پھنس چکی ہے۔ جن کو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور ٹیپو سلطانؒ جیسا کردار ادا کرنا تھا وہ مست مئے ذوق تن آسانی ہیں۔ ان میں دور اندیشی ہے نہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس جبکہ صورتحال یہ ہے کہ

آگ ہے' اولاد ابراہیمؑ ہے' نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

(اقبالؒ)

مگر ہمیں اس امتحان میں سے گزرنا ہے وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم خطرات کو دیکھتے ہوئے بلی کی طرح آنکھیں بند کرنے کی بجائے ان کے تدارک کے لئے اسلام کی طرف رجوع کریں' پختگیٔ عمل پیدا کر کے' دشمنان اسلام کا مقابلہ کریں کہ شہیدان اسلام کی روحیں ہم سے خفا اور ہم ان سے شرمندہ نہ ہوں۔

ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ و بازار میں
عدل کو بھی صاحب اولاد ہونا چاہئے

(عطاء الحق قاسمی)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ادارہ قومی تشخص پاکستان کی جانب سے منعقدہ
کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی
میں اول انعام حاصل کیا

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

اسلامی نظریاتی مملکت اور قائداعظمؒ کا خواب

ہر انسان کے پیش نظر اپنی زندگی کا کوئی نظریہ' کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اس مقصد کے بغیر انسان کی زندگی بے معنی ہے جب کوئی خاص مقصد' مشترکہ طور پر بہت سے لوگوں کی زندگی کا نصب العین بن جائے تو وہ ان کا "نظریہ حیات" کہلاتا ہے۔ کسی بھی انقلابی تحریک کے پیچھے کوئی نہ کوئی نظریہ کار فرما ہوتا ہے۔ اور کسی بھی قوم کی اجتماعی زندگی میں نظریئے کی حیثیت روح کی سی ہوتی ہے۔ نظریئے سے زندگی کا نظام بنتا ہے اور ترقی کی جہتیں متعین ہوتی ہیں۔

مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی' ہر دو زندگیوں میں ساری ہدایت و رہنمائی اپنے دین سے ملتی ہے۔ اسلام انسانوں کے مابین تعلقات و حقوق بھی معین کرتا ہے اور ریاست و معاشرت کو بھی منظم کرتا ہے اور ہر معاملے میں اصل معیار اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یعنی قرآن و سنت ہوتا ہے۔ مسلم قوم کا یہی نظریہ حیات' تحریک پاکستان کی اساس بنا۔ پاکستان' نظریہ اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا گیا۔ حضرت قائداعظمؒ نے مختلف مواقع پر اپنی تقاریر میں نظریہ پاکستان کی کھل کر وضاحت کی ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے تاریخ ساز اجلاس کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپؒ نے دو قومی نظریئے کو بڑے موثر اور خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ آپؒ نے فرمایا۔

"اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت دو مختلف معاشرتی نظام ہیں چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہئے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔ میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔"

اسلامی نظریہ ---- بقائے پاکستان کا لازمی تقاضہ

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب "استحکام پاکستان" میں رقم طراز ہیں۔

کسی بھی ملک و ملت کے استحکام ہی نہیں بلکہ بقا تک کے لئے مندرجہ ذیل پانچ عوامل لازمی اور ناگزیر ہیں۔

1 - ایک ایسا طاقتور انسانی جذبہ جو جملہ حیوانی جبلتوں پر غالب آ جائے۔ اور قوم کے افراد میں کسی مقصد کے لئے تن من دھن لگا دینے حتی کہ جان تک قربان کر دینے کا مضبوط اور قوی داعیہ پیدا کر دے۔

2 - ایک ایسا ہمہ گیر نظریہ جو افراد اقوام کو ایسے مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک کر کے بنیان مرصوص بنا دے جو رنگ' نسل' زبان' اور زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اور اس طرح قومی یک جہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن جائے۔

3 - عام انسانی سطح پر اخلاق کی تعمیر نو جو صداقت' امانت' دیانت اور ایفاء عہد کی اساسات کو از سر نو مضبوط کر دے۔

4 - ایک ایسا نظام عدل اجتماعی (System of Social Justice) جو مرد اور عورت' فرد اور ریاست اور سرمایہ و محنت کے مابین عدل و اعتدال اور قسط و انصاف اور فی الجملہ حقوق و فرائض کا صحیح و حسین توازن پیدا کر دے۔

5 - ایک ایسی مخلص قیادت جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد نظر نہ آئے اور جس کے خلوص و اخلاص پر عوام اعتماد کر سکیں۔"

تحریک پاکستان کے تاریخی اور واقعاتی پس منظر اور پاکستان میں بسنے والوں کی عظیم اکثریت کی فکری و جذباتی ساخت دونوں کے اعتبار سے یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس ملک میں یہ تمام تقاضے صرف اور صرف دین و مذہب کے ذریعے اور اسلام کے حوالے اور ناتے سے ہی پورے کئے جا سکتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ جیسے دور اندیش انسان کو بھی بجا طور پر اس بات کا احساس تھا۔ اسی لئے انہوں نے بارہا اپنی تقاریر اور بیانات میں صاف صاف کہا کہ اس ملک کی بنیاد فقط اسلام کے سنہری

اصولوں پر رکھی جائے گی۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء کو جالندھر میں آل انڈیا مسلم لیگ سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا تھا۔

"مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت کیا ہو گا۔ پاکستان کے طرز حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوتا ہوں؟ یہ کام پاکستان کے رہنے والے کریں گے اور میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن نے مقرر کر دیا تھا۔"

قائداعظمؒ کا خواب ــــــ اسلامی نظریاتی مملکت

کسی بھی نظریاتی مملکت کے نظام حکومت کا تصور اس کے بانی کے رہنما اصولوں اور اساسی نظریات کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ آیئے ہم بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کے بیانات کی روشنی میں جائزہ لیں کہ ان کا تصور پاکستان کیا تھا۔

1- بنیادی شہری حقوق کی پاسداری

قائداعظمؒ محمد علی جناح مسلمانوں کے لئے ایک ایسا وطن قائم کرنا چاہتے تھے جس میں انسانی حقوق و فرائض کا ایک خوبصورت توازن موجود ہو' وہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتے تھے جس میں ہمدردی' مساوات' انصاف' بھائی چارے اور احساس مروت جیسی اعلیٰ انسانی اقدار کی پاسداری کی جاتی ہو۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو حکومت کے افسران سے خطاب کرتے ہوئے آپؒ نے اپنے خواب کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں' جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے۔" کسی شاعر کے الفاظ میں قائدؒ کا خواب ایک ایسا وطن تھا کہ

؎ وہ وطن جس میں ہو قرآن کی بالا دستی
عدل و انصاف' مساوات و اخوت کا میں

جس میں اسلام کے مہتاب سے کرنیں پھوٹیں
جس کا ہر ذرہ ہو' ہر رنگ' ہر اک پھول حسیں

2- اسلامی جمہوریت کا قیام

یہ سچ ہے کہ قائداعظمؒ دنیا کے تمام سیاسی نظاموں میں سے جمہوریت اور پھر جمہوریت میں سے اسلامی جمہوریت کو ہی سب سے زیادہ بہتر خیال کرتے تھے۔ اس بات کا اظہار انہوں نے متعدد بار اپنی تقاریر میں بھی کیا ہے۔ شاہی دربار سبی میں خطاب کرتے ہوئے آپؒ نے فروری ۱۹۴۸ء کو فرمایا تھا "اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت' اسلامی معاشرتی عدل اور مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔"

3- فلاحی اسلامی مملکت

آپؒ ایک ایسی اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے جو ہر لحاظ سے فلاحی مملکت ہو۔ جس میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے جس میں انسانی حقوق کو بنیادی اہمیت حاصل ہو۔ جس میں امانت و دیانت کا پاس ہو۔ جس میں اتحاد' ایمان اور تنظیم جیسے زریں اصولوں پر عمل ہوتا ہو۔ آپؒ خود بھی صاحب کردار تھے اور آپؒ نے اپنی قوم کو بھی عظمت کردار اور اپنے اوصاف میں پختگی پیدا کرنے کا درس دیا۔

؎ وہ سیاست میں صداقت کے اصولوں کا امیں
مرد بیباک و جری' صاحب عزم و کردار

4- اسلامی تجربہ گاہ

قائداعظمؒ دراصل مسلمانوں کے لئے ایک ایسی مملکت قائم کرنا چاہتے تھے جہاں مسلمان اپنے فرائض' اپنی عبادات کی ادائیگی کے سلسلہ میں بالکل آزاد ہوں۔ آپؒ نے پشاور میں ۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا "ہمارا مذہب' ہمارا کلچر اور اسلام کے نظریات حیات آزادی حاصل کرنے کے لئے ہمارے محرکات ہیں۔ پاکستان کا مطلب صرف آزادی نہیں۔ اس کا مفہوم اس مسلم آئیڈیالوجی کو محفوظ کرنا ہے جو ایک بیش بہا متاع کی صورت میں ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔" ایک اور مقام پر تقریر کرتے ہوئے

آپؒ نے پاکستان بنانے کے اصل مقصد کو واضح کیا ہے "ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

(اسلامیہ کالج پشاور ۱۳ فروری ۱۹۴۸ء)

آپ نے اپنی شب و روز محنت اور جدوجہد سے اپنے خواب کو حقیقت کا روپ دیا اور دنیا کے نقشے پر ایک نئے وطن کے نقوش ابھرے۔ آپ نے اپنے خواب کی تعبیر تو دنیا کو دکھا دی لیکن تعمیرو تکمیل پاکستان کا کام ابھی ادھورا ہے۔ جو ہمیں کرنا ہے بقول جناب صہبا اختر

؎ سو گیا قوم کی تقدیر جگانے والا
اب کہاں خواب کو تعبیر بنانے والا

خود حفاظت کرو اس دیس کی لوگو ورنہ
اب کوئی قائداعظم نہیں آنے والا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

میر خلیل الرحمن سوسائٹی
(روزنامہ جنگ) کے زیر
اہتمام منعقدہ کل پاکستان مقابلہ
مضمون نویسی
میں تیسری پوزیشن حاصل
کی

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ماحولیاتی آلودگی

انسان کو خدا تعالیٰ نے بے شمار قدرتی وسائل عطا کئے ہیں۔ انسان ہمیشہ سے ہی ان وسائل کو اپنی ضرورت کے مطابق تبدیل کر کے فائدہ اٹھاتا رہا ہے۔ انسان کی اسی مسلسل جدوجہد نے اس کے لئے زندگی کی مختلف آسائشیں فراہم کی ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اسی انسانی جدوجہد سے انسان کے لئے ترقی و عروج کے دروازے کھلتے جا رہے ہیں۔ لیکن انسانی تہذیب و معاشرت جتنی تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی ہے اتنی ہی برق رفتاری سے قدرتی وسائل کے استعمال میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس سے قدرتی ذخائر کے ختم ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو رہا ہے۔ خاص طور پر معدنی ذخائر کے ختم ہونے کا اندیشہ---- کہ جو ایک دفعہ ختم ہو جائیں تو پھر ان کی تجدید ممکن نہیں۔ قدرتی وسائل کے اس بے دریغ استعمال نے جہاں اور بہت سے مسائل پیدا کئے ہیں وہاں سب سے بڑا مسئلہ ماحولیاتی آلودگی کا ہے۔ آلودگی میں مسلسل اضافہ کرہ ارض پر زندگی کی بقا کے لئے ایک مستقل خطرہ بنتا جا رہا ہے۔

گھٹائیں زہر آلودہ' ہوائیں زہر آلودہ
ہوئی جاتی ہیں دنیا کی فضائیں زہر آلودہ

آج کے دور میں بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی کسی فرد یا ملک کا مسئلہ نہیں رہا ہے۔ بلکہ یہ ایک عالمی مسئلہ بن کر خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔ اس خطرے کی گھنٹی کو محسوس کرتے ہوئے تقریباً" ایک سو ستر (170) ممالک کے سربراہان' برازیل میں اکٹھے ہوئے۔ اس کانفرنس کا مقصد ماحولیاتی آلودگی پر قابو پانے کی تدابیر پر غور کرنا تھا۔ آلودگی اس کرہ ارض پر ہر جگہ پائی جاتی ہے لیکن ایسا ضرور ہے کہ کسی علاقے میں کم ہے تو کسی میں زیادہ۔ ترقی یافتہ ممالک میں جہاں آلودگی بہت زیادہ مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ وہاں اس بات کا اہتمام بھی ہے کہ اس کے تدارک کے بہتر طریقے اپنائے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف ترقی پذیر ممالک میں آلودگی کی مقدار کم تو ہے لیکن اس کے تدارک پر عدم توجہ' ان ممالک میں زیادہ سے زیادہ مضر اثرات پیدا کرنے کا موجب بن

رہی ہے۔

آلودگی پیدا کرنے والے بڑے بڑے عوامل میں زراعت' ٹرانسپورٹ اور صنعتیں شامل ہیں۔ پوری دنیا میں آلودگی کے مسئلے پر سطحی سی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ سطحی اس لحاظ سے کہ آلودگی کے خلاف باتیں صرف کاغذات اور دستاویزات تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جبکہ عملی فرائض کے سلسلے میں ہم ایک خطرناک لاپرواہی اور مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں۔ 1972ء سے لے کر آج تک اقوام متحدہ کے زیر اہتمام متعدد کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں جن میں آلودگی کے تدارک پر زور دیا گیا ہے۔ ہماری بقا کا راز اس حکمت عملی میں مضمر ہے کہ کم سے کم آلودگی کو ماحول میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

اس مضمون میں خاص طور پر پاکستان کے حوالے سے ماحولیاتی آلودگی کے تیزی سے پھیلنے کی وجوہات بیان کرنے کی کی کوشش کی جائے گی۔

1- ٹرانسپورٹ

ہماری سڑکوں پر موٹر گاڑیوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے موٹر گاڑیوں میں اضافے کی یہ شرح آج کل 4.5 فیصد سالانہ ہے۔ ایک سروے کے مطابق' سڑکوں پر چلنے والی ستر فیصد (70%) موٹر گاڑیاں اپنی عمر پوری کر چکی ہوتی ہیں اور جب انہیں اس حالت میں چلایا جاتا ہے تو دھواں اور دوسری زہریلی گیسیں بہت زیادہ مقدار میں خارج کرتی ہیں۔ ایک پاکستانی موٹر گاڑی امریکہ میں چلنے والی گاڑی کی نسبت 20 گنا ہائیڈرو کاربن' 24 گنا مانو آکسائیڈ اور 306 گنا نائیٹروجن کے آکسائیڈ فضا میں چھوڑتی ہے جو خطرناک حد تک فضائی آلودگی کا باعث بنتی ہے۔ 1978ء میں لاہور میں موٹر گاڑیوں کی تعداد پچاس ہزار (50,000) تھی جبکہ اب یہ تعداد تین لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔

2- صنعت

قیام پاکستان کے وقت یہاں کوئی قابل ذکر صنعت نہیں تھی 1950ء میں زندگی کی بنیادی اور اہم ضروریات کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ صنعتیں لگانے پر زور دیا

گیا۔ بڑے بڑے شہروں میں بجلی، پانی، گیس وغیرہ کی سہولیات باسانی دستیاب ہونے کی وجہ سے وہاں پر صنعتیں قائم کی گئیں۔ جنہوں نے قومی ترقی میں بہت کردار ادا کیا مگر ساتھ ہی ساتھ آلودگی میں بھی اضافے کا باعث بنیں۔ کارخانوں اور فیکٹریوں وغیرہ سے نکلنے والے زہریلے مواد بغیر صاف کئے ہوا، پانی یا زمین پر پھینکنے سے جو مضر اثرات پیدا ہوئے ہیں وہ انسانی اور حیوانی بلکہ نباتاتی زندگی کے لئے بھی زہر ہلاہل ہیں۔

3- کوڑا کرکٹ

شہروں اور دیہاتوں میں روزانہ بے حساب کوڑا کرکٹ پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کو ضائع کرنے یا ٹھکانے لگانے کے مناسب نظام کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ کوڑا کرکٹ ادھر ادھر پھینک دیا جاتا ہے جو طرح طرح کی بیماریاں پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔ انسانی سہولت کی ایک مثال---- **پولیتھین** کے شوپر۔ جو آج کل ہماری بنیادی ضرورت اور خریداری (Shopping) کی روح رواں بن چکے ہیں، استعمال کے بعد پھینک دئے جانے والے یہ گندے اور ناقص شوپر ادھر ادھر ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں اور گندگی پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ گلیوں اور سڑکوں میں لگے کوڑے اور گندگی کے ڈھیر سورج کی روشنی، بارش کے پانی اور گرمی سے گل سڑ کر خطرناک، بدبودار گیس پیدا کرتے ہیں اور آلودگی کا باعث بنتے ہیں۔

4- ناقص سیوریج سسٹم

ہمارے ہاں نکاسی آب کا انتظام ناقص ہونے کی وجہ سے بے شمار مسائل پیدا ہو رہے ہیں شہری اور دیہاتی علاقوں میں ضائع شدہ پانی اردگرد پھینک دیا جاتا ہے۔ اس میں سے ایک تہائی زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور زمین کو آلودہ کرتا ہے۔ ایک تہائی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے اور یوں فضا کو گندہ کرتا ہے۔ کچھ پانی کچی پکی گلیوں اور سڑکوں پر کھڑا رہتا ہے اور مچھر، مکھی اور دوسرے نقصان دہ کیڑے مکوڑے پیدا کرنے اور پھر ان کی آماجگاہ بن کر بیماریاں پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔ یہ گندا پانی نہ صرف آلودگی کا باعث بنتا ہے بلکہ کچی گلیوں میں کیچڑ اور پکی گلیوں اور سڑکوں کی توڑ پھوڑ کا سبب بھی بنتا ہے۔

5- اوزون کی تہہ

سورج سے خارج ہونے والی مضر شعاعوں اور سیاروں' ستاروں سے آنے والے ذرات سے اہل زمیں کو محفوظ رکھنے کے لئے خدائے لم یزل نے زمین کے گرد سولہ (16) تا اڑتالیس (48) کلومیٹر دبیز ایک تہہ بنا دی ہے۔ جو زمین سے تقریباً" بیس (20) کلومیٹر کے فاصلے پر پائی جاتی ہے۔ اس تہہ کو اوزون کی تہہ (اوزون لئے) کہتے ہیں۔

صنعتی فیکٹریوں کے دھویں کے ساتھ نکلنے والے بعض کیمیکل ایسے بھی ہیں جو اس تہہ میں شگاف ڈالنے کا موجب ہیں۔ اور یوں مضر شعاعیں اور نقصان وہ ذرات زمین پر پہنچ کر بقائے حیات کے لئے نقصان وہ ثابت ہو رہے ہیں۔ ان نقصانات میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ آنکھوں میں موتیہ کا مرض عام ہو رہا ہے۔
۲۔ جلدی کینسر کی شرح روز بروز بڑھ رہی ہے۔
۳۔ انسانی جسم میں قوت مدافعت کی کمی اور اس سے بیماری کے خلاف موثر قابو پانے میں ناکامی ہو رہی ہے۔
۴۔ تابکاری شعاعوں سے نباتات بری طرح متاثر ہو رہے ہیں اور آبی مخلوق (مچھلیاں وغیرہ) بھی متاثر ہو رہی ہیں۔

6- متفرق عوامل

ماحولیاتی آلودگی کے سلسلے میں چند نہایت اہم اور بنیادی عوامل کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی آلودگی کی بہت سے وجوہات ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

- شہروں اور دیہاتوں کے نزدیک اینٹیں بنانے کے بھٹے۔
- ناجائز منافع کمانے کی خاطر خوراک میں ملاوٹ۔
- لاؤڈ سپیکر' پریشر ہارن' مختلف آلات موسیقی اور دوسری بلند آوازوں کا شور۔
- سوئی گیس' پیٹرول' ڈیزل' لکڑی اور فاضل مادوں وغیرہ کو جلانا۔

- شہروں کے اندر بے شمار فیکٹریاں اور کارخانے۔
- پرانے ٹائروں کا جلانا' خصوصاً" احتجاجی مظاہروں کے دوران۔
- کیڑے مار ادویات اور کھاد کا بہت زیادہ استعمال۔
- آبادی میں مسلسل اضافہ اور دیہاتوں اور قصبوں سے لوگوں کی شہروں کی طرف منتقلی۔
- ایٹمی تجربات کی کثرت اور ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال۔
- "قدرت کے **پھیپھڑے**" یعنی درختوں کی کمی۔
- مختلف علاقوں میں کھدائی کی وجہ سے گرد و غبار یعنی ڈسٹ پلوشن کی زیادتی۔

یہ ہیں وہ تمام اسباب جن کی وجہ سے آج ہم آلودگی کے خطرناک مسئلے سے دوچار ہیں۔ اسباب سامنے ہیں اب تو صرف ان کے تدارک کے لئے عملی کوششوں کی ضرورت ہے۔ غیر تعلیم یافتہ عوام میں اس مسئلے کی سنگین صورتحال کا شعور پیدا کرنا' ماحولیاتی آلودگی کو ختم کرنے کے لئے قانونی ڈھانچے کی تشکیل' اس خطرناک مسئلے سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہر قسم کے وسائل کی فراہمی اور سب سے بڑھ کر انسانی کوششیں اور جدوجہد۔۔۔۔۔ اس لائحہ عمل کو اپناتے ہوئے ہم بہت جلد خوشحالی اور شادمانی کی منزل کی طرف گامزن ہو سکتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ینگ سٹوڈنٹس ویلفیئر سوسائٹی کے تحت منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی میں اول انعام

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

وطن عزیز کا حلیہ بگاڑنے اور شیرازہ بکھیرنے کا سبب نام نہاد لیڈر ہیں

جب انسانوں نے مل جل کر رہنا شروع کیا تو ان کے مفاد ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اس ٹکراؤ سے باہمی تنازعات پیدا ہوئے۔ اس سے اس ضرورت کا احساس بیدار ہوا کہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے جس سے یہ ٹکراؤ پیدا نہ ہو' اور اگر ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو باہمی کشمکش اور تنازعات کا فیصلہ عمدگی سے ہو جائے تاکہ معاشرہ فساد اور جنگ و جدل سے محفوظ رہے۔ اس سے نظام سیاست کے تصور کی ابتداء ہوئی۔ ابتداء ہوئی تو اس ضرورت کے تحت' لیکن جن لوگوں نے جھگڑے نپٹانے اور فیصلے کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا' انہوں نے محسوس کیا کہ دوسروں سے اپنا حکم منوانے میں بڑی لذت ملتی ہے۔ اس لئے انہوں نے ایسی تدابیر سوچنی شروع کیں جن سے ان کے ہاتھ میں آیا ہوا اقتدار چھننے نہ پائے۔ اس سے معاشرہ میں دو طبقے پیدا ہو گئے۔ ایک طبقہ وہ جو دوسروں سے اپنا حکم منواتا تھا اور دوسرا وہ جو ان کا حکم مانتا تھا۔ بعض اوقات حکمران طبقہ سے اس کا اقتدار اور اختیار چھیننے کے لئے کوئی دوسرا فریق کھڑا ہو جاتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ محکوم طبقہ حکمران طبقہ کے خلاف سرکشی پر آمادہ ہو جاتا۔ اگر غور کیا جائے تو انسانیت کی ساری تاریخ اسی کشمکش کی داستان نظر آئے گی۔ یعنی

1 - حکمران طبقہ کی کوشش کہ ان کے اقتدارو اختیار کی گرہیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائیں۔

2 - فریق مقابل کی خواہش کہ وہ اقتدار ان کے ہاتھ میں آ جائے۔

3 - محکوم طبقہ کی سرکشی اور حکمران طبقہ کی کوشش کہ انہیں دبا کر رکھا جائے۔

4 - اور ارباب فکرو بصیرت کی یہ کاوش کہ ایسی کون سی تدابیر کی جائیں کہ معاشرۃ میں سیاسی نظام بھی قائم رہے اور حاکم و محکوم میں کشمکش بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

ہمارا پیارا وطن پاکستان ایک اسلامی ریاست کے طور پر وجود میں آیا۔ مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ پاکستان کے وجود کا یہ بنیادی مقصد ہی وجہ نزاع بنا رہا ہے۔ اس کی وجہ ارباب اختیارو اقتدار اور عوام کے درمیان ایک وسیع خلیج ہے۔ عوام تو جذبات کا ایک بہتا ہوا دھارا ہیں' جو نہ رکتا ہے اور نہ خود کو سوچ اور فکر کی گتھیوں میں الجھاتا ہے۔ یہ فرض تو قوم کے دانشور طبقہ اور لیڈروں کا ہے کہ وہ قوم کی منزل اور مقاصد کی نشاندہی کریں اور عوام کی صحیح راہنمائی کریں۔ بدقسمتی سے قیام پاکستان کے بعد ہمارے نام نہاد لیڈر قومی توقعات پر پورا نہیں اترتے۔

ڈوبنے والے خدا کا واسطہ دیتے ہیں
دیکھنے والے خدا کے نام سے بیزار تھے

قوموں کی راہنمائی کے لئے ایمانی قوت' صلاحیتوں میں خود اعتمادی اور قومی مقاصد کے لئے دکھ جھیلنے کی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے یہ تمام اوصاف تو صرف اور صرف وطن سے محبت اور خلوص رکھنے والے لوگوں میں ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ سیاسی لوگ جب بھی آگے آئے ہوں اقتدار دل میں لئے آئے۔ گزشتہ 45 سال کے دوران نام نہاد لیڈروں نے اس عظیم ملک کا حلیہ بگاڑنے اور شیرازہ بکھیرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

شرافت ہو گئی رخصت جہاں سے یہ غارت گر نکل آئے کہاں سے
ہیں پاکستان میں' ناپاکیاں کیوں فرشتے دیکھتے ہیں آسماں سے
(حفیظ اللہ خاں منظر)

آیئے! وقت کے اس گزرے ہوئے المناک باب کو کھول کر دیکھیں۔۔۔۔۔ کہ بعض اوقات ماضی کی غلطیوں سے حاصل ہونے والی شرمندگی' مستقبل میں آمادہ عمل کرتی ہے۔

1- قیام پاکستان کے وقت

پاکستان کے سیاسی میدان میں کتنے ہی لوگوں کے نام ہمیں ملیں گے جنہوں نے قیام پاکستان کے وقت اس کے قیام کی بھرپور مخالفت کی۔ آج وہی لوگ پاکستان کے

مالک بنے ہوئے ہیں جو کل تک اس کے وجود کے منکر تھے۔ جن دنوں پاکستان کی تحریک بہت زوروں پر تھی کسی نے حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کو طعنہ دیا کہ "تم کس شہ پر پاکستان کا مطالبہ کرتے ہو۔ تمہاری جیب میں تو سارے سکے کھوٹے ہیں۔ تمہارے سارے ساتھی کھوٹے ہیں۔" حضرت قائدؒ نے فرمایا "جب سارے کھرے سکے دشمن کی جیب میں ہوں تو مجھے کھوٹے سکوں سے کام چلانا آتا ہے" اس وقت تو قائداعظم علیہ رحمتہ نے اپنی سیاسی بصیرت اور دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے ان کھوٹے سکوں سے صحیح کام لے لیا۔ لیکن ان کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ کھوٹے سکے ہم پر مسلط ہوئے اور ایسے مسلط ہوئے کہ ہم آج تک ان کھوٹے سکوں سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے۔ آج ـــــ آج جو لوگ سیاست کی منڈی کے تاجر بنے پھرتے ہیں وہ کھوٹے ہی نہیں کھوٹے در کھوٹے، در کھوٹے سکے ہیں۔

اس غم میں کلیاں زرد ہوئیں   اس سوچ میں غنچے سوکھ گئے
ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے   انجام گلستاں کیا ہو گا

2- سقوط مشرقی پاکستان

ان نام نہاد لیڈروں، کھوٹے سکوں نے اپنا پہلا "بڑا کارنامہ" سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں دکھلایا۔ صرف اور صرف اقتدار کی ہوس نے بھائی کو بھائی سے لڑا دیا اور ایک ہی جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ وہ جنہیں عوام کو متحد کرنا تھا۔ انہوں نے خود ہی انتشار برپا کر کے اس مملکت کو دو لخت کر دیا جو امت مسلمہ کی امیدوں کا مرکز تھی۔ حیف! وقت کے غدار بھی رستم ٹھہرے۔ کہ موقع پرست سیاستدانوں اور بزدل بادہ مست جرنیلوں نے اپنے ہوس اقتدار میں اپنے ہی گھر کو جلا دیا۔ ان نام نہاد لیڈروں کی ہوس اقتدار اس حد کو پہنچی کہ انہوں نے "یہ میرا ـــــ وہ تیرا" والا کلیہ اپناتے ہوئے اپنے درمیان دیواریں کھڑی کر لیں۔

ے ہم بچاتے ہی رہے دیمک سے اپنا گھر مگر
چند کیڑے کرسیوں کے ملک سارا کھا گئے

3- نااتفاقی ــــ انتشار

ان نام نہاد لیڈروں نے جہاں وطن عزیز کو ہر طرح سے نقصان پہنچایا وہیں پہ ان کا یہ "کارنامہ" بھی سرفہرست ہے کہ نہ تو خود ہی اتفاق و اتحاد سے اس ملک کی ترقی کے لئے کچھ کیا اور نہ ہی اس ملک کے عوام کو اتفاق و اتحاد سے رہنے دیا۔ رنگ و نسل' زبان و مذہب' فرقہ واریت اور صوبائیت پسندی جیسی لعنتوں کو ہوا دے کر اپنے وقتی مفادات حاصل کئے بقول جناب اکبرالہ آبادی

خانہ جنگی میں ہی حضرت مرد ہیں عیب جوئی کے ہنر میں فرد ہیں
اپنوں ہی کے واسطے ہیں شعلہ خو سامنے غیروں کے بالکل سرد ہیں

آج انہی نام نہاد سیاستدانوں کی نااتفاقی اور انتشار کے سبب ہم کمزور ہو چکے ہیں اور ہماری اس کمزوری سے دشمن فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ایک طرف سامراجی طاقتیں' کمزور قوموں کو محکوم بنا لینے کے درپے ہیں تو دوسری طرف اسلام دشمن' پاکستان دشمن بھارت اپنے شیطانی عزائم کے ساتھ موقع کی تلاش میں ہے۔ ایسے میں ہمارے سیاسی لیڈر اپنی سیاسی منڈی کو چمکانے میں مصروف ہیں۔ انہیں اس مملکت کی بقا کا ذرا احساس نہیں کہ دنیائے اسلام کی دم توڑتی امیدیں اس مملکت پاکستان کے ساتھ وابستہ ہیں۔

4- غلط سیاسی نظام

ان تمام برائیوں کی جڑ دراصل ہمارا غلط سیاسی نظام ہے۔ ایک چوتھے گریڈ کا چپڑاسی بھرتی کرنے کے لئے بھی تعلیم اور قابلیت پوچھی جاتی ہے۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے اس ملک پر حکمرانی کرنی ہوتی ہے' جنہیں قوانین بنانے ہوتے ہیں افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ ان کے لئے کوئی تعلیم یا قابلیت ضروری نہیں ہے۔ ان پڑھ اور جاہل لوگ' پڑھے لکھے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ دوسری طرف شاعر مشرقؒ نے بہت عرصہ پہلے بالکل صحیح ارشاد فرمایا تھا کہ

؎ جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا

ایم۔ این۔ اے یا ایم۔ پی۔ اے کی سیٹ کے لئے اگر تین امیدوار ہیں اور ان

میں سے ایک شخص چونتیس (34) ووٹ حاصل کرتا ہے جبکہ باقی دو اگر تینتیس، تینتیس (33، 33) ووٹ حاصل کرتے ہیں تو چونتیس (34) ووٹ حاصل کرنے والے کو اکثریت کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اکثریت یعنی چھیاسٹھ فی صد (66%) عوام نے اسے مسترد کر دیا ہے۔

؎ جہاں منصب عطا ہوتے ہیں بے فکرو فراست بھی
وہاں ہر جستجو جھوٹی، وہاں ہر عزم ناکارہ

(ساغر صدیقی: چادر صحرا)

5- منفی سیاسی رویے

آج جبکہ دنیا سائنسی ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھ رہی ہے۔ ہمارے سیاسی لیڈر نہ خود آگے بڑھتے ہیں نہ دوسرے لوگوں کو آگے بڑھنے کا موقع دیتے ہیں وہ اس کی ٹانگ کھینچ رہا ہے تو یہ اس کی۔ اور بقول نیر نیازی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہے کہ

؎ نیر اس شہر پہ آسیب کا سایہ ہے کہ کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

ہم زندگی کے ہر شعبے میں عالمی ترقی سے بہت پیچھے رہ چکے ہیں۔ ایک تعلیمی نظام کو ہی لے لیجئے۔ یہی نام نہاد لیڈر سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے اور اپنی سیاست کی منڈی چمکانے کے لئے نوجوان طلباء کو استعمال کرتے ہیں۔ ایسا کر کے وہ نہ صرف غریب والدین سے ان کا سہارا چھین لیتے ہیں بلکہ قوم کے مستقبل کو بھی تاریک سے تاریک تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب نام کی باری آتی ہے تو یہی نام نہاد لیڈر وہ وہ دعوے کرتے ہیں کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہو گا۔

؎ کام کو چھوڑ کے ہم نام کے پیچھے ہیں عطا
جو شجر بوئے نہیں ان کے ثمر مانگتے ہیں

(عطاء الحق قاسمی۔ ملاقاتیں ادھوری ہیں)

دوسری طرف انتخابات کے زمانہ میں ہمارے ہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ بتانا باعث شرم ہے کہ ووٹ جیسی قومی امانت کو پیسے کے ذریعے خرید لیا جاتا ہے۔ دھمکیاں، اغوا،

قتل........ اور نجانے کیا کچھ صرف اور صرف انا پرستی اور ہوس اقتدار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ہمارے شہر میں پستہ قدوں کی حکمرانی ہے
جو ان کے سر سے اونچا ہو وہ سر باقی نہیں رہتا
کئی دنوں سے مجھے گھر کی فکر لاحق ہے
منافق جس میں بستے ہوں وہ گھر باقی نہیں رہتا

(اکرم ناصر)

پھر اپنے مفادات اور سیاسی مصلحتوں کے تحت تخریب کاری اور غنڈہ گردی کی جاتی ہے۔ معصوم اور بے گناہ لوگوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ سید قاسم شاہ نے ان لوگوں کے منفی رویوں کی نشاندہی کچھ ان الفاظ میں کی ہے کہ

یتیموں کو نہیں پالا' حواری پال رہے ہیں
امیر شہر نے کتے شکاری پال رکھے ہیں
وہ مجھ مظلوم کو انصاف دینے کے لئے آیا
کہ جس نے گھر میں مجرم اشتہاری پال رکھے ہیں
فرنگی نے امامت کا تصور ہی بدل ڈالا
یہ دو ایکڑ زمیں دیکر بھکاری پال رکھے ہیں

6- موجودہ صورتحال

قوموں کی تاریخ میں بہت دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شکست دوسری فتح کا موجب بنی ہے۔ یعنی قومیں شکست اور زوال سے سبق حاصل کر کے اصلاح اور ترقی کا راستہ اختیار کرتی ہیں۔ مگر اب اس سے بڑھ کر ناانصافی اور اندھیر کیا ہو گا کہ ہمارا جغرافیہ تو بگڑ ہی چکا تھا اب ہماری شناخت اور تاریخ بھی مسخ کی جانے لگی ہے۔ اس مینارہ نور کی بنیادیں بھی کھوکھلی کی جا رہی ہیں۔ وطن عزیز کا کوئی سا اخبار اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ یہ لیڈر اس کو گالی دے رہا ہے تو وہ اسے۔ حتیٰ کہ یہ باتیں اب قومی اسمبلی اور ایوان بالا تک بھی پہنچ چکی ہیں۔ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو کیا تربیت

اور نوجوانوں کو کیا سبق دے رہے ہیں۔ اگر ہمارے "منتخب نمائندے" ہی وطن عزیز کے "ایوان بالا" میں فحش الفاظ اور بیہودہ گالیاں استعمال کریں۔

؎ اس شہر میں بستے ہیں بہت جعفرو صادق
آفات کی زد میں ہے شہر دیکھ رہا ہوں

7- قابل توجہ

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہم ایک تکون میں سانس لے رہے ہیں۔ ایک طرف قدامت پسند علماء کا وہ طبقہ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اسلامی اصولوں کی جو توضیح و تشریح پرانی فقہ میں موجود ہے وہ حرف آخر ہے۔ اگر مذہبی لیڈروں کی بات کی جائے تو انسان عرق شرمندگی میں شرابور ہو جاتا ہے کہ وہ تو نوری اور خاکی اور غیب کے علم ہونے یا نہ ہونے کے فروعی مسائل میں پڑے ہیں اور یوں اپنی راہنمائی کی صلاحیتوں کو اپنے لوگوں کے لئے استعمال کرنے کی بجائے اپنے ہی لوگوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔

دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے جس کا مقصد و مدعاء مغربی طرز جمہوریت ہے جس میں مذہب کو بس ذاتی زندگی میں عمل درآمد کی اجازت ہے۔ تیسری طرف اشتراکی ہیں۔ جن کا ماڈل ایک لادینی سوسائٹی ہے۔ مسلم عوام اس تکون کے تینوں اطراف کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔ کچھ راہنمایان وطن تینوں تکونوں پر کھڑے سطحی طور پر مصالحت کی کوشش کر رہے ہیں اور سادہ لوح عوام ان راہنماؤں سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ لیکن ان لیڈروں کی اپنی مصلحتیں ہیں' مفادات ہیں' حرص زر ہے' ہوس اقتدار ہے' جھوٹی انا پرستی ہے' سستی شہرت کی خواہش ہے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ ہم نے خدا کے ہاں جواب دہ ہونا ہے۔ قائداعظمؒ اور اقبالؒ کی روحیں ہم سے کیا تقاضہ کرتی ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ان بزرگوں کے دن منا کر سمجھتے ہیں کہ فرض ادا ہو گیا مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کی روحیں ہم سے خفا اور ہم ان سے شرمندہ ہیں کہ ہم ان کی کشتی کو سنبھال نہیں سکے۔ یہ بھنور میں گری ہوئی ناؤ ہمارے سہارے کی منتظر ہے مگر ہمیں تو صرف اپنی اور اپنی فکر پڑی ہے۔

السلام! اے ملت اسلامیہ کے جاں نثار
پیر رومیؒ نے تمہاری فکر کو بخشا نکھار
وہ تصور جو تجھے رکھتا تھا پیہم بے قرار
اس تصور کا ہوا جاتا ہے دامن تار تار
کس کی غفلت سے ہوئی ویران کشت آرزو
کیوں گلستاں کا گلستاں ہو گیا ہے سوگوار
آہ اے اقبال! تو واقف نہ تھا اس راز سے
اس وطن کے راہبر تجھ کو کریں گے شرمسار
اے خودی کے راز داں فریاد ہے فریاد ہے
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تیرا انوکھا شاہکار

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کل پاکستان سلطان صلاح الدین ایوبی
مقابلہ میں اول انعام

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

منشیات ــــــ مسائل اور انکا حل

اس دنیا میں حضرت آدم و حوا علیہ السلام کی آمد کے بعد زمین پر ہونے والے پہلے فساد (ہابیل اور قابیل کے جھگڑے) سے لے کر آج تک انسان پریشانیوں' الجھنوں اور مسائل کا شکار ہے۔ وہ دن رات مصروف عمل ہے اور اپنے بڑھتے ہوئے مسائل اور ذہنی الجھنوں سے نجات چاہتا ہے۔ انسان کی ساری تگ و دو ذہنی آسودگی کے حصول کے لئے ہے۔ کوئی یہ آسودگی دولت کے انباروں اور عیش عشرت سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو کوئی راگ رنگ کی محفلوں سے' کوئی شراب و کباب میں آسودگی تلاش کرتا ہے تو کوئی دوسری حیوانی لذات میں ــــــ سکون و خوشی تلاش کرنے کے لئے نت نئے طریقے' بہانے' حربے اور راستے تلاش کئے جا رہے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تمام راستے اور ذرائع مادی ہیں اس لئے نہ صرف یہ کہ انسان ناکام ہے بلکہ ڈور سلجھنے کی بجائے الجھتی ہی چلی جا رہی ہے اور اب تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا سرا ملنا بھی محال ہوتا جا رہا ہے۔ یعنی خوشی' سکون اور آسودگی تو درکنار' خود انسان کو اپنی بقا کے لالے پڑ گئے ہیں۔ دولت جسے انسان خوشی و مسرت کا سرچشمہ سمجھتا تھا' آج انسان کے لئے سب سے بڑی مصیبت بن چکی ہے۔ اسلحہ اور بارود جسے انسان اپنا محافظ سمجھتا تھا' آج انسان کے لئے وبال جاں بن چکا ہے اور منشیات' جن میں انسان اپنے لئے سکون اور آسودگی تلاش کر رہا تھا' آج اسی کی نسل کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

منشیات ــــــ ایسی لعنت ہیں جو انسان اور انسانیت کی آنکھوں سے روشنی' کانوں سے سماعت' بدن سے گرمی' ذہن سے عقل و شعور' دل سے عزت و شرافت اور جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیتی ہیں۔ سگریٹ سے لے کر شراب' افیون اور مارفین تک اور چرس و بھنگ سے لے کر کوکین اور ہیروئن تک تمام کی تمام منشیات کا استعمال دنیا میں زیادہ سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے اسی لئے انسان کی تباہی و بربادی اور ذلت و خواری میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہی وہ زہر ہے جو انسان کو سکون کے نام پر بے چینی و اضطراب' آسودگی کے نام پر الجھنیں' سکھ کے نام پر دکھ اور

زندگی کے نام پر موت دے رہا ہے۔ منشیات کا مسئلہ کسی ایک ملک یا قوم کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پوری دنیا کا مسئلہ ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت دنیا کو درپیش مسائل میں سے سب سے بڑا اور سنگین مسئلہ یہی ہے' تو بے جا نہ ہو گا۔

آیئے اب جائزہ لیں کہ منشیات کی اس پھیلتی ہوئی لعنت کی وجوہات کیا ہیں۔

منشیات کے پھیلنے کی وجوہات

منشیات کے عام ہونے اور پھیلنے کی ایک وجہ تو وہی ہے جو سطور بالا میں بیان کی جا چکی ہے یعنی آسودگی اور چین کی تلاش۔ بقول میرزا غالب

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو

یاں گو نہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

اس زہر کے پھیلنے کی دوسری وجوہات درج ذیل ہیں۔

☆ قوت فیصلہ کی کمی

بہت سے لوگ اس وجہ سے منشیات کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ان میں فیصلہ کرنے کی قوت نہیں ہوتی۔ وہ صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر سکتے۔ وہ نہیں جانتے کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے۔ چنانچہ جب ان کو کوئی شخص منشیات کی دعوت دیتا ہے تو وہ اپنی قوت فیصلہ میں کمی کے باعث انکار نہیں کر سکتے۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ یہ شے ان کے لئے نقصان دہ ہے یا فائدہ مند! اس طرح وہ ان ترغیبات سے نہیں بچ سکتے' جو انہیں منشیات اختیار کرنے کے سلسلہ میں دی جاتی ہیں اور وہ اس تباہ کن مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ گھریلو مسائل

جب انسان کو مشکلات اور مسائل درپیش ہوں تو کچھ لوگ ہمت اور مردانگی سے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگ مسائل سے بہت زیادہ گھبرا کر راہ فرار اختیار کرتے ہوئے منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ گھر جن میں امن و سکون نہ ہو' بچوں کو والدین کی طرف سے مناسب پیار نہ ملتا ہو' میاں بیوی میں روز بروز جھگڑا ہوتا

ہو' امتحان میں ناکامی ہو جائے یا کاروبار میں بہت زیادہ نقصان ہو جائے تو ان صدموں سے پناہ کے طور پر انسان اس موذی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بقول ساغر صدیقی

؎ میں تلخی حیات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا

☆ بے روزگاری

نوجوانوں کی نفسیات کا ایک لازمی حصہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی زندگی سرگرمیوں سے خالی نہیں رہ سکتی۔ اگر ان کی سرگرمیوں کو کسی مثبت سمت میں لگا دیا جائے تو ان سے بہت اچھے نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں البتہ اگر ان کی سرگرمیوں کا رخ منفی ہو جائے یا وہ ہمہ وقت فارغ ہوں تو اس سے خطرناک نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ موجودہ حالات میں بڑھتی ہوئی بیروزگاری اور فارغ البالی سے بھی نوجوان منشیات کے زہر سے آشنا ہو گئے ہیں۔

☆ بری صحبت

منشیات کے عام ہونے کی مندرجہ بالا تمام وجوہات اپنی جگہ' لیکن سب سے بڑی وجہ ہے صرف اور صرف "بری صحبت"---- یہ بات واضح ہے کہ منشیات کا زہر کسی دوسرے شخص سے ہی منتقل ہوتا ہے براہ راست' ازخود شاذ ہی کوئی شخص اس مرض کا شکار ہوتا ہو۔ اس لئے شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

؎ صحبت طالح ترا' طالح کنند صحبت صالح ترا' صالح کند

اول بات تو یہ ہے کہ انسان کو بری صحبت اختیار ہی نہیں کرنی چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے ایسا ہو تو انسان کی قوت فیصلہ اور قوت مزاحمت اتنی مضبوط ہونی چاہئے کہ وہ ہر بری شے سے نہ صرف انکار کر سکے بلکہ دوسروں کو برائی سے روکنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

منشیات اور اسلامی تعلیمات

دنیا میں سب سے پہلے' اسلام نے لوگوں کو منشیات کے نقصانات سے آگاہ کیا۔

اسلام نے آج سے پندرہ سو سال پہلے یہ بتا دیا تھا کہ نشہ کرنے والا معاشرے کا مفید رکن نہیں بن سکتا۔ منشیات سے پرہیز کے سلسلہ میں اسلام نے واضح احکامات جاری کئے ہیں۔

(الف) قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔ **یایھا الذین امنوا انما الخمرو المیسرو الانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ○ انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمرو المیسر ویصدکم عن ذکراللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون ○**
(سورہ المائدہ۔ آیت ۹۰۔۹۱)

"اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام ہیں' اعمال شیطان ہیں' ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے' تو تم ان کاموں سے باز رہنا۔"

(ب) اس سلسلہ میں سرکار مدینہ ﷺ کا فرمان ملاحظہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ **مدمن الخمر' کعابدوثن۔** (ابن ماجہ)

"قیامت کے دن نشہ کرنے والوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو بت پرستوں کے ساتھ کیا جائے گا۔"

(ج) صحابہ کرامؓ کا عمل یہ ہے کہ جب شراب حرام ہو گئی تو ساری کی ساری شراب گلیوں میں بہا دی گئی' بلکہ ایک صحابیؓ رسول ﷺ کا یہاں تک فرمان ہے کہ "اگر کسی کنویں میں شراب کا ایک قطرہ گر جائے' اس کنویں سے کھیت سیراب ہوں اور کھیتوں سے سبزیاں پیدا ہوں تو ہم ان سبزیوں کو بھی نہیں کھائیں گے۔

(د) حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں۔ **اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم' لا تشرب الخمر فانھا مفتاح کل شر** (ابن ماجہ)۔ "مجھے میرے خلیل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں نشہ آور چیزوں کو استعمال نہ کروں کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہیں۔"

منشیات کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل

منشیات کے زہر کی وجہ سے بے شمار مسائل پیدا ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1- خرابی صحت

ہم سب جانتے ہیں کہ ذہن جسم کے تمام افعال اور نظاموں کو کنٹرول کرتا ہے۔ نشہ آور اشیاء کے استعمال سے دماغ مفلوج ہو جاتا ہے۔ **نتیجتاً** جسم کے تمام نظام اور ان کے تمام افعال بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اعصابی نظام تباہ ہو کر رہ جاتا ہے' سارے جسم کی کارکردگی خراب ہو جاتی ہے۔ مجموعی طور پر صحت خراب بلکہ برباد ہو جاتی ہے۔ اس زہر کے مستقل عادی شخص کا جسم ریت کی اس دیوار کی مانند ہو جاتا ہے جو کسی بھی وقت بھی زمین بوس ہو سکتی ہے۔

2- جرائم میں اضافہ

نشہ کرنے والے افراد کو نشہ آور اشیاء مثلاً" شراب' افیون' ہیروئن وغیرہ خریدنے کے لئے روپوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب انہیں یہ روپے نہیں ملتے تو وہ جھوٹ بولتے' چوری کرتے' دھوکہ دیتے' اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں میں ہونے والے جرائم کے اعداد و شمار سے یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ عادی جرائم پیشہ لوگ اپنے نشے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وارادات کرتے ہیں ایسے افراد اپنے گھر کی چیزیں چرانے اور اپنی ماں' بہن' بیوی اور بیٹی کے زیورات بیچنے سے گریز نہیں کرتے۔ ایسے ہی کچھ بے حمیت لوگ' اپنی عورتوں سے محنت مزدوری کرواتے ہیں اور ان کی کمائی سے منشیات کی لعنت خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔

3- اخلاق و کردار کی تباہی

جو افراد اس زہر کے عادی ہو جاتے ہیں وہ اخلاقی طور پر تاریکی' بربادی اور ذلت کے اندھے گڑھوں میں جا گرتے ہیں۔ نشہ کرنے والوں کا اپنے دل و دماغ پر کوئی کنٹرول نہیں رہتا' سوچنے' سمجھنے اور صحیح عمل کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔

جھوٹ بولنے' چوری کرنے' دھوکہ دینے اور برے کردار کی وجہ سے ایسے لوگ' سب کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ دراصل جس شے کو وہ اپنے لئے "زندگی" سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ ان کے جسم' دماغ' اخلاق اور روح کے لئے موت ثابت ہوتی ہے۔ بقول حکیم الامت

ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش

اور تو اے بے خبر! سمجھا اسے شاخ نبات

(سرمایہ و محنت ——— بانگ درا)

4- معاشی و معاشرتی مسائل

نشے کا عادی شخص معاشی طور پر برباد ہو جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نشے کی طلب بڑھتی جاتی ہے۔ ایک طرف تو نشہ کرنے والا اپنے کاروبار اور روزگار سے دور اور لاتعلق ہو جاتا ہے اور دوسری طرف منشیات کا اضافی خرچ بڑھتا جاتا ہے۔ قرض لینے اور گھر کی ضروری اشیاء بیچنے کی نوبت آ جاتی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نشے کے مستقل عادی اپنا خون بیچ کر اپنے نشے کو پورا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ مالی طور پر مفلوک الحال ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی و معاشرتی سطح پر بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ خاندان' سماج اور تہذیب سے انہیں دور کا واسطہ بھی نہیں رہتا اور ان کی شخصیت کھوکھلی ہو کر رہ جاتی ہے۔

5- نفسیاتی مسائل

منشیات کے استعمال سے انسان بہت سی نفسیاتی الجھنوں اور بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی سوچ منفی ہو جاتی ہے' اس کا عمل تخریبی ہو جاتا ہے' وہ ڈرپوک اور بزدل ہو جاتا ہے۔ خود اعتمادی جاتی رہتی ہے۔ ایسا شخص دوسروں کی ہمدردی اور محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ تمام ذہنی اور جسمانی بیماریاں مل کر اسے نیم پاگل بنا دیتی ہیں۔ یہی پاگل پن خود سوزی اور خودکشی کا باعث بنتا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ منشیات کا استعمال ازخود' براہ راست خودکشی کا ایک طریقہ اور راستہ ہے۔ اور خودکشی بھی ایسی جس میں موت بھی آسانی سے نہیں آتی۔

6- قومی زوال کا باعث

منشیات کی وجہ سے پیدا ہونے والا سب سے بڑا اور گھمبیر مسئلہ یہ ہے کہ جس قوم کے افراد اس زہر کے عادی ہو جائیں وہ قوم تنزل' بربادی اور زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ چین کی مثال لے لیجئے۔ آزادی سے پہلے چین کی قوم اس موذی کا شکار تھی' اور شکار بھی ایسا تھی کہ اسے (Opium-Eaters And Day-Sleepers) یعنی ''دن کو سونے والے اور افیون کھانے والے'' کہا جاتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے اس لعنت سے نجات حاصل کی تو ہر کوئی جانتا ہے کہ کس تیزی اور برق رفتار سے انہوں نے ترقی کی ہے اور دنیا میں اپنا نام کملایا ہے۔ چین کی ترقی و خوشحالی کا یہی راز ہے کہ وہ اس لعنت سے مکمل طور پر آزاد ہے جبکہ ہمارے ہاں یہ زہر تیزی سے نوجوانوں کے رگ و پے میں اترتا چلا جا رہا ہے۔

ے ہوتی ہے شب و روز میرے گھر میں تباہی
بے بس ہوں کہ جلتا ہوا گھر دیکھ رہا ہوں

(پرواز)

ان مسائل کا حل

لیکن بے بسی کے اس حصار کو توڑ کر اپنے حال اور مستقبل کو بچانے کے لئے بحیثیت قوم' سب پوری قوم کو اور انفرادی طور پر ایک ایک فرد کو کام کرنا ہو گا۔ اس لعنت سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل اقدامات کرنا ہوں گے۔

1- خصوصی توجہ و تعاون

نوجوانوں کو نشے کا عادی ہونے سے بچانے اور اس مرض کے شکار افراد کو اس لعنت سے بچانے کے لئے بہت ضروری ہے کہ اپنے نوجوانوں پر بھرپور توجہ دی جائے۔ عادی افراد کا علاج کرایا جائے۔ علاج کے دوران ان کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کرنا چاہئے۔ اس مرض کے خلاف مزاحمت کے سلسلہ میں مریض کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ ایسے افراد قابل نفرت نہیں بلکہ لائق توجہ ہیں۔ ہماری توجہ' تعاون اور ہمدردی انہیں تباہ و برباد ہونے سے بچا کر ایک اچھا اور مفید پاکستانی بننے میں مدد دے سکتے ہے۔

2- منشیات کے نقصانات سے آگاہی

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بہت سے لوگ منشیات کے نقصانات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی وجہ سے اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ لوگوں کو اس موذی مرض کے نقصانات سے آگاہ کریں' اس کے خطرات سے آگاہی دیں اور انہیں یہ احساس دلائیں کہ یہ زہر ان کی صحت ان کا کاروبار' ان کے اعزاء و اقارب' ان کے معاشرے اور ان کی عاقبت کے لئے کس قدر ہلاکت آفریں اور تباہ کن ہے۔

3- بری صحبت سے بچاؤ

چونکہ بری صحبت ہی نشے کا عادی بننے کی سب سے بڑی وجہ ہے' چنانچہ سب سے موثر حل بھی یہی ہے کہ بری صحبت سے پرہیز کیا جائے۔ والدین اور اساتذہ کو چاہئے کہ بچوں اور نوجوان طلبہ کی صحبت کا خاص خیال رکھیں۔ بچے کیسے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں' کہاں آتے جاتے ہیں اور کس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں' اگر ان عوامل پر نظر رکھ لی جائے تو انہیں اس لعنت کا شکار ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ صحبت انسان کے اخلاق اور کردار کو بنانے یا بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسی لئے تو ایک انگریز دانا کا حکیمانہ قول ہے کہ

IT IS BETER TO WEEP WITH WISE THAN IT TO LAUGH WITH FOOL.

4- منشیات کا دھندہ کرنے والوں کی سختی سے حوصلہ شکنی

اگر ہم اپنی قوم کو نشے کا عادی بننے سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ دھندہ کرنے والے کالے بھیڑیوں کو آہنی ہاتھوں سے کچلنا ہو گا۔ ایسے بدنما داغوں اور مفاد پرستوں کا خاتمہ کئے بغیر اس زہر سے دائمی نجات ممکن نہیں قوم کے مستقبل کی رگوں میں زہر اتارنے اور معماران وطن کو موت کے منہ میں دھکیلنے والے ان بھیڑیوں سے کسی قسم کی رعایت روا نہیں رکھی جانی چاہئے بلکہ ایسے لوگوں کو سرعام پھانسی دی جانی چاہئے۔ اس طرح زہر کا کاروبار کرنے والے ان درندوں کے خاتمے کے ساتھ دوسری کالی بھیڑوں کو بھی عبرت حاصل ہو گی۔

خزاں لوٹتی ہے چمن کس لئے یہ دن رات ظلم و ستم بے حساب
سرعام' سوداگری زہر کی فقیہ وامیر اس کا بھی دیں جواب

5- اصل جائے سکون

مندرجہ بالا تمام علاج صحیح و درست---- لیکن ان کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنی اصل جائے سکون کی طرف لوٹنا ہو گا۔ اسے اپنے خدا سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ جوڑنا ہو گا کیونکہ اصل جائے سکون یہ ہے۔ سقراط نے کہا تھا کہ حقیقی مسرت علم میں ہے' افلاطون نے علم کے ساتھ عدل' شجاعت اور اعلی حکومت کو بھی شامل کر دیا۔ لیکن قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ مسرت صرف اور صرف خالق سے رابطہ جوڑنے اور اس کی اطاعت میں مضمر ہے آج بھی اگر ہم پروردگار کے بے بہا خزانہ رحمت سے وابستہ ہو جائیں تو سکون' اطمینان' امن اور رحمتوں کے دروازے ہمارے لئے کھل سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام

۱۔ بچوں اور نوجوانوں میں جذبہ خود اعتمادی پیدا کیا جائے۔
۲۔ بچوں اور نوجوانوں کو توجہ' پیار و محبت اور بہتر تربیت دی جائے۔
۳۔ انہیں حرام حلال کے تصور سے آشنا کیا جائے۔
۴۔ بچوں کی صحبت اور میل جول پر خصوصی نظر رکھی جائے۔
۵۔ گھروں اور تعلیمی اداروں میں اچھا اخلاقی ماحول پیدا کیا جائے۔
۶۔ جسمانی ورزشوں اور اچھی کھیلوں کو فروغ دیا جائے۔
۷۔ تعلیمی نصاب میں منشیات کے سلسلہ میں تعلیم کا خصوصی انتظام کیا جائے۔
۸۔ نوجوانوں کو مثبت اور تخلیقی سرگرمیوں کی طرف راغب کیا جائے۔
۹۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے منشیات کی روک تھام کا فریضہ سرانجام دیا جائے۔

نشہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ بہت سے مسائل اور خطرات پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہئے کہ ہم خود بھی اس لعنت سے بچیں اور اپنی قوم کے نوجوانوں کو بھی اس زہر سے بچائیں ایسا کرنے سے خوشیوں اور اطمینان و سکون کے دروازے ہمارے لئے کھلے ہیں۔ آیئے وطن عزیز کو اس لعنت سے پاک کر کے خوشبوؤں کا گہوارہ بنا دیں۔

؎ بہا دو خون سڑکوں پر مگر اتنا تو تم سوچو
وطن جب خون مانگے گا تمہارے پاس کیا ہو گا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی میں اول انعام

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

؎ وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

اگر ہم تاریخ کا بغور مطالعہ کریں اور مختلف ادوار میں مختلف قوموں کی تعمیر و تخریب اور عروج و زوال کے اسباب تلاش کریں تو جو چیز اٹل صداقت بن کر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قوموں کی قوت اور شان و عظمت سونے چاندی کے ڈھیروں اور بیش قیمت معدنیات کے انبار میں نہیں گو کہ اس سے انکار ممکن نہیں کہ قوم کی شان و شوکت قوت و جبروت کا معیار قائم کرتے وقت ان داخلی اور خارجی عوامل کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ قوم کی اقتصادی خوشحالی کا دارومدار تمام تر اس بات پر ہے کہ اس کے افراد کتنے دیانتدار اور محب وطن ہیں۔ بے ایمان افراد کے ہاتھوں میں آپ لامحدود وسائل دے دیجئے وہ ان سے صرف اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ بھرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے یہ کہنا بہتر ہو گا کہ قوم کی اصل قوت' اصل سرمایہ اور اس کی قابل اعتماد لازوال دولت اس کے دیانتدار افراد ہی ہوا کرتے ہیں مگر جب افراد کے اقوال و اعمال مشیت خداوندی اور تعلیمات پیغمبر ﷺ کے خلاف ہو جائیں تو پھر خداوند عظیم اس قوم کی بربادی اور تباہی کے لئے خود ہی مصیبتوں کے دروازے کھول دیا کرتے ہیں۔ اور پیغمبر ﷺ آخر' نبی مکرم ﷺ کے ایک ارشاد کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی تباہی و بربادی چاہتے ہیں تو اس کے لئے ایک طریقہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ اس قوم پر جابرو ظالم حکمران کو مسلط کر دیتے ہیں۔ قوموں کی تباہی کے اور بھی بہت سے راستے ہیں جب کوئی قوم انداز اسلاف کو چھوڑ کر شعار اغیار کو اپنا لیتی ہے اور اپنے بزرگان کی قربانیوں کو بھلا دیتی ہے تو اس کے لئے تباہیوں کے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔

بدحالی احوال دیکھئے کہ اہل وطن ان جانثاروں کو بھی بھول گئے جنہوں نے سب سے پہلے تو قیام پاکستان کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔ اپنا گھر' اپنے بیوی بچے' حتیٰ کہ اپنی

جانیں تک قربان کر دیں۔ پھر وہ جانثار بھی ہماری نظروں سے معدوم ہو گئے جنہوں نے 1965ء کی جنگ میں دشمن کو ناکوں چنے چبا دئے۔ اور اس کے بعد ان جانثاران وطن کے لئے بھی ہمارے دلوں میں نرم گوشہ نہ رہا جنہوں نے اپنی کڑیل اور بے داغ جوانیاں تخریب کاروں اور بھارتی فوجیوں کے مقابلے میں دفاع پاکستان کی خاطر قربان کر دیں۔

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جن موقع پرست سیاستدانوں اور نشہ عیش و نشاط میں ڈوبے جرنیلوں نے اس گھر کو آگ لگائی اور اس مملکت کو دولخت کر دیا جو عالم اسلام میں امت مسلمہ کی امیدوں کا واحد مرکز تھی' ان کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ حیف! اب وقت کے غدار بھی رستم ٹھہرے اور جن کے لہو سے دو قومی نظریہ منور ہو گیا ان کا نام نہیں مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس مینارہ نور کی بنیادیں بھی کھوکھلی کی جا رہی ہیں۔

شاعر' محقق' صحافی اور ادیب جن کا فرض اول جابرو ظالم حکمران کے خلاف آواز بلند کرنا اور ان کے لئے پند قرآنی تجویز کرنا تھا وہ غاصب اور نااہل حکمرانوں کے ہر فعل کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں' ان کی کج روی پر پردہ ڈالتے اور ہر حماقت کو تاریخ کا سنہری باب قرار دیتے ہیں اور صورتحال یہ ہے کہ

؎ جو لوگ آبروئے وطن تھے کدھر گئے
تھا جن پہ فن کو ناز وہ فن کار بک گئے

(سرور ارمان)

صرف یہی نہیں ہم نے اب رشوت' سفارش' بدعنوانی' چوری' ڈاکے' اغواء' قتل و غارت اور نہ جانے کتنی زیادہ بیماریاں اپنے اندر پیدا کر لی ہیں۔ ان سب بیماریوں کا منبع و مظہر کچھ اور ہی وجوہات ہیں جن کا مختصر ذکر اپنی کم علمی کے باوجود یہاں کروں گا۔

1- اسلام سے دوری

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب مسلمانوں نے خدا کے بتائے

ہوئے راستے پر اپنی زندگیوں کو ڈھال لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کی بادشاہت عطا کی اور پھر وہ دنیا میں اس قدر مقبول ہوئے کہ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ان کی عظمت اور شان و شوکت کی مثالیں دی جانے لگیں۔ مگر جیسے ہی مسلمانوں نے تعلیمات اسلام سے دوری اختیار کی' اپنا رابطہ کلام الٰہی کی بجائے کسی دوسری شے سے قائم کیا وہ نیست و نابود ہو گئے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ایسی ہی صورت حال ہمارے ہاں بھی پیدا تو نہیں ہو چکی۔ اگر ہم حالات و واقعات کا تقابلی جائزہ لیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ ہماری تباہی و بربادی کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اسلامی تعلیمات کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے درستگی حالات کے لئے قرآن کی بجائے غیروں کے نظام زندگی کو اپنا لیا ہے۔

یہاں پر ایک وضاحت طلب بات یہ ہے کہ خاص طور پر آج کے نوجوان طالب علموں کے ذہن میں یہ سوال اکثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کو چھوڑ دینا ہی اگر تباہی و بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے تو پھر اہل یورپ جو سراسر اسلام کے دشمن ہیں بظاہر ترقی پر نظر کیوں آتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس اسلام کی عطا کردہ عالم گیر کتاب تو ہے مگر ہم میں عمل بالکل نہیں ہے۔ انگریز یہاں آیا تو اس نے یہاں کی خوبصورت اور سادہ روایات' دل کش طرز زندگی اور اصلاح پسند اسلامی قوانین کو خود اپنا لیا اور ہمیں اپنا فرسودہ اور شیطانی نظام دے گیا جس پر ہم آج بھی عمل پیرا ہیں۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ پھل تو ہمارے پاس ہے مگر اس پھل کا رس کوئی اور نکال کر لے گیا ہے ہم صرف پھل کے چھلکے ہی پکڑے بیٹھے ہیں۔ یعنی ہمارے پاس جسم تو موجود ہے مگر روح نہیں۔

؎ تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے مگر
دل میں نہیں اگر تو کہیں روشنی نہیں

(جگر مراد آبادی)

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے بت شکنی چھوڑ کر بت گری اپنالی ہے محافظ قرآن اور قاری قرآن بننے کی بجائے ہم تارک قرآن بن چکے ہیں۔ شاعر مشرق ہماری اسی حالت پہ ماتم کناں ہیں۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعث رسوائی پیغمبر ﷺ ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیمؑ پدر اور پسر آزر ہیں

(بانگ درا)

2- شعار غیر سے محبت

میرے خیال میں آج کے دور میں ہماری بربادی و زوال کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلاف کو بھلا کر شعار غیر سے محبت کر لی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب قومی مفادات اور اجتماعی ترقی کی جگہ منفعت اور انفرادی مصلحت آڑے آ جائے تو ترقی و عروج کے دروازے بند ہو جایا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں حال یہ ہے کہ

مصلحت نے آدمی کے بولتے لب سی لئے
بے حسی کے موڑ پر سچائیاں گم ہو گئیں

آج یہ حال ہے کہ ہر شخص اندھا دھند تقلید مغرب کو فیشن اور روشن خیالی تصور کرتا ہے جبکہ ہر شخص اپنے اسلاف کی سادہ' پاک اور خوبصورت روایات کو بھلا بیٹھا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اصلاح احوال کے لئے قرآن سے رابطہ کیا اور ہم نے دنیا اور صرف دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ علامہ اقبال علیہ رحمتہ نے مسلمانوں کے اس غلط رویے کا اس انداز سے شکوہ کیا ہے کہ

کون ہے تارک آئین رسول ﷺ مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار
ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار
قلب میں سوز نہیں' روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

3- ہوس زر

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس وقت تمام برائیوں کی جڑ تمام معاشرتی بیماریوں کا اصل منبع و مظہر صرف اور صرف ہوس زر ہے۔ رشوت' سفارش' چوری' ڈاکے' اغواء' قتل و غارت' درندگی اور اسی طرح کی تمام برائیوں کے پیچھے ہوس زر کسی نہ کسی صورت میں کارفرما ہوتی ہے۔

اتنی بڑھی ہے زر کی ہوس آج کل ظفر
دنیا سے ہم نے کر لیا سودا ایمان کا

ہوس زر نہ صرف خود ایک بہت بڑی بیماری ہے بلکہ اور بھی بہت سی بیماریوں مثلاً" حسد" لالچ' ذخیرہ اندوزی' حق تلفی' اور بے جا نمودو نمائش کا سبب بھی بنتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے اور ہمارے بزرگان دین نے ہوس زر سے بچنے اور میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ابن سماکؒ فرماتے ہیں کہ "طمع گلے کا پھندا ہے اور پاؤں کی بیڑی۔" اسلام نے ان اکرمکم عنداللہ اتقکم کہہ کر روپے پیسے امیری غریبی اور آقا و غلام کا فرق مٹا دیا ہے۔ اپنے معاشرے کو تباہی و بربادی سے بچانے اور مسلمانوں کو ایک بار پھر ترقی و عروج کی منزلوں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ دولت و زر کی چاہت میں میانہ روی سے کام لیا جائے۔ اور اس کی بجائے علم' عمل اور محبت کی دولت بڑھائی جائے۔

4- اتحاد کی کمی

قوموں کے عروج و زوال میں اس بات کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ وہاں کے افراد میں کس قدر اتحادو اتفاق ہے۔ آپ اس گھر کے بارے میں سوچئے جس کے تمام افراد آپس میں ہی دست و گریباں ہوں۔ پھر اس گھر کا شیرازہ بکھرنے سے کون بچا سکتا ہے؟ ہماری تباہی میں اس بات کا بہت دخل ہے کہ ہم میں اتحادو اتفاق نام کی چیز نہیں۔ سیاستدانوں نے اپنی سیاست کی منڈی چمکانے کے لئے' اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کے درمیان ذات پات' فرقہ و برادری اور صوبائیت پسندی جیسی لعنتیں پیدا کر دی ہیں مگر ڈاکٹر اقبالؒ اس وقت ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے

کہتے ہیں کہ یہ باتیں ترقی و عروج کی منزلوں تک پہنچنے کی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کا نفع نقصان، خوشی، غمی اور پریشانی و شادمانی سب ایک ہیں۔

؎ منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ﷺ دین بھی ایمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(جواب شکوہ)

5- ترک عمل

مگر ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر موجود تباہی و بربادی کی سب سے بڑی وجہ ترک عمل ہے ہمارے پاس اس رسول مقبول ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے جو "خیر البشر" اور "رحمت اللعالمین" جیسے لقب لے کر آئے۔ مگر ہم میں عمل کی کمی! ہمارے پاس ان مجاہدین اور شہداء کی روائیات جنہوں نے احیائے اسلام کی خاطر نہ صرف اپنی جانیں قربان کر دیں بلکہ اپنا سارا کنبہ دین اسلام کی بقا کے لئے قربان فرما دیا مگر ہم میں عمل کی کمی! کردار کی کمی!

؎ صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی و گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار میں سرمست! نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

(ضرب کلیم)

مگر آیئے اپنے اسلاف کی قربانیوں کی قسم کھا کر وعدہ کریں کہ اسلام اور قرآن کے آئین کے مطابق اپنی زندگیوں کو بسر کریں گے شعار غیار کو ترک کر کے طرز اسلاف سے محبت کریں گے۔ روپے پیسے اور زمین و جائیداد کی ہوس کو ترک کر کے خوشیوں اور محبتوں کے دیپ جلائیں گے اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ ساتھ اپنے عمل

سے پکے مسلمان اور سچے پاکستانی ہونے کا عملی ثبوت دیں گے۔ تجارت، تعلیم، صنعت و حرفت، اقتصادیات اور ہر شعبے میں ترقی کے لئے خلوص دل سے محنت کرنا ہر فرد کا فرض اولین ہے۔ اس مٹی کا مفاد ہمارا مفاد ہے یہاں کے بسنے والوں کی منفعت ہماری منفعت ہے۔ اس کی بہاروں میں گل کھلیں گے تو ہمارے اپنے دماغ معطر ہوں گے۔ یہاں کی پیداوار بڑھے گی تو ملکی سرمایہ بڑھے گا۔ یہاں کی صنعت و حرفت اگر دنیا پر چھا جائے گی تو گویا ہم چھا جائیں گے۔

ہمیں اپنے وطن میں ہر قسم کی آزادی اور سامان آسائش و آرائش مہیا ہے مگر ہم یہ کبھی نہ بھولیں کہ اس میں سلطان ٹیپو کا خون، سرسیدؒ کی نگاہ دوربیں، اقبالؒ کے افکار قائد کی جہد مسلسل اور دوسرے اکابرین کا ایثار بھی شامل ہے ہمیں اس خون، اس جدوجہد اور اس ایثار کو نہ تو فراموش کرنا ہے اور نہ ہی ضائع۔ اگر ہماری بربادیوں اور تباہیوں کے مشورے آسمانوں میں ہو رہے ہیں تو آیئے کہ اپنے عمل سے اپنی تقدیر کو بدل ڈالیں۔ حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ بالا تمام برے حالات کی ذمہ داری اپنے سر لیں اور مستقبل میں اصلاح احوال کے لئے آمادہ عمل ہو جائیں۔ اقبال علیہ رحمتہ ہم ہی سے فرما رہے ہیں کہ

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

(ارمغان حجاز)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ادارہ قومی تشخص پاکستان کی طرف سے منعقدہ کل پاکستان
مقابلہ مضمون نویسی میں طلبہ و طالبات کے زمرہ میں اول انعام

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

"وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"

حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا یہ زبان زد خاص و عام مصرع اپنے احاطہ تخیل میں ایک طویل موضوع لئے ہوئے ہے۔ آیئے ذرا تجزیہ کریں کہ اقبالؒ اس نغمہ کو آلاپنے پر کیونکر بے اختیار ہوئے۔ وہ کون سی وجہ ہے کہ نسل انسانی کی ایک صنف کو حضرت اقبالؒ اس کائنات کی رنگینی کا سبب قرار دے رہے ہیں۔

ہوا یوں کہ جب اقبالؒ نے چشم شعور واکی تو ماں کی ٹھنڈی اور محبت بھری گود نے تسکین و راحت کے کئی خزانے لٹا دیئے۔ خود گیلی جگہ پر سو کر بیٹے کو خشک اور آرام دہ جگہ پر سلانے والی شخصیت اس کی سمجھ اور عقل سے تو باہر تھی مگر اس کی محبت کی آئینہ دار تھی۔ گھر کی چار دیواری کے اندر بہن کی بار حیا سے جھکی آنکھیں اور دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ دیکھے تو قلب و نظر میں خوشی و سرمستی کے کئی سوتے پھوٹ اٹھے۔ حجلہ عروسی میں شریک حیات کے ذوق و فا اور قرب و وصال کے احساس نے فکرو خیالات کے وسیع سمندر میں دل لبھانے والے دل آویز موتی پھینکے اور پھر ایک صبح ان کی منتظر نگاہوں نے منیرہ کے روپ میں شب تہجد کا ثمر پایا تو اقبالؒ برملا پکار اٹھے کہ

؎ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

عورت کیا ہے

عورت کے یہ تمام روپ دیکھ کر ذہن میں یہ سوال جاگزیں ہوتا ہے کہ آخر عورت کیا ہے؟ اگر یہ دنیا پھول ہے تو عورت اس کی خوشبو ہے۔ کائنات اگر دل ہے تو یہ اس کی آرزو ہے۔ جہان رنگ و بو اگر ایک مسلسل سفر ہے تو عورت ایک رفیق باوفا ہے۔ صفحہ دہر اگر آنکھ ہے تو عورت اس کا نور ہے۔ جہان بیکراں اگر ایک سمندر ہے تو عورت ایک خوش رنگ، خوش وضع اور بیش قیمت موتی ہے۔

عورت نبی ﷺ کی محبوب' مومن کی مطلوب اور زندگی کا اسلوب ہے۔
یہ قوس قزح کا حسن' ساز کی دھن اور بہاروں کا جوبن ہے۔
؎ کبھی کبھی تو یہ ساری کائنات کا حسن
تیرے وجود کا سایہ دکھائی دیتا ہے

تصویر کا ایک اور رخ

یہاں ایک قابل غور بات' ایک دوسری سوچ رکھنے والے طبقے کے حوالے سے ہمارے سامنے آتی ہے یہ طبقہ صنف نازک کو سرمایہ مسرت سمجھنے کی بجائے وجہ جنگ و جدل اور منحوس تصور کرتا ہے۔ اس طبقے کے خیال خام کے مطابق "وجود زن سے تصویر کائنات میں رنگ نہیں بلکہ وجود زن سے تصویر کائنات میں جنگ ہے" یہ نظریہ دراصل ان کی باغیانہ اور مجرمانہ ذہنیت کا ترجمان ہے۔ ذرا غور کیجئے خدا کی یہ مخلوق کسی کو نقصان کیسے پہنچا سکتی ہے؟ ہاں البتہ اس کے حقیقی اور اصلی روپ کی بجائے اس کی ذات کو کوئی اور ہی رنگ نہ دے دیا گیا ہو۔ دراصل یہ سب طبقاتی کشمکش' سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام' عدم مساوات' اسلامی فلسفہ و تعلیم سے لاتعلقی اور مغربی تہذیب کی تقلید کا نتیجہ ہے۔ کہ آج ہمیں قدرت کا یہ بے مثال شاہکار "عورت" دنیا میں ذلیل و رسوا نظر آتی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اقبالؒ نے حقیقت کو صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔

قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پروین
فساد کا ہے فرنگی معاشرے میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے' بیچارہ زن شناس نہیں
(ضرب کلیم)

کچھ دوسروں کی رائے میں

آیئے اب دیکھیں کہ عورت کو کائنات کی روح رواں اور کائنات کی رنگینی کا باعث قرار دینے والے صرف حضرت اقبالؒ ہی ہیں یا یہ ایک عالمگیر نظریہ ہے۔

1 - حضرت محمد ﷺ : "عورت' نماز اور خوشبو مجھے پسند ہیں۔" ایک اور حدیث کے مطابق "ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت نیک عورت ہے۔"

2 - شیخ سعدیؒ : "اچھی عادات رکھنے والی عورت' جھونپڑی کے فقیر کو بادشاہ بنا سکتی ہے۔"

3 - سقراط : "اگر یہ دنیا ایک آنکھ ہے تو عورت اس کی روشنی ہے اور اگر یہ دنیا ایک پھول ہے تو عورت اس کی خوشبو ہے۔"

4 - قائداعظم محمد علی جناحؒ : "دنیا میں دو طاقتیں ہیں۔ ایک قلم اور دوسری تلوار' لیکن عورت ان دونوں طاقتوں سے زیادہ طاقتور ہے۔"

5 - پنڈت سوامی رام : "پتھروں میں پارس' درختوں میں لاجونتی اور انسانوں میں عورت' اعلی و ارفع ہیں۔"

6 - برنارڈ شاہ : "جب عورت مسکراتی ہے تو کائنات پھول کی مانند کھل اٹھتی ہے۔"

7 - سیموئیل : "عورت کی آنکھیں' ہمارے قوانین سے زیادہ طاقت ور ہیں۔"

8 - رینالڈ : "دنیا کا کوئی ہیرا اتنا قیمتی نہیں ہے۔ جتنی ایک نیک اور پاک سیرت عورت۔"

9 - بارلولڈ : "عورت مصیبت و غم کم کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔"

10 - ملٹن : "عورت سب سے اچھا اور سب سے آخری آسمانی تحفہ ہے اور حسین' باعصمت خاتون خدا تعالی کی صفت کاملہ کا نمونہ ہے۔"

توجہ طلب

اس سلسلے میں ایک اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ جس گھر میں کسی نہ کسی روپ میں (خواہ وہ ماں ہو' بہن ہو' بیوی ہو یا بیٹی) عورت موجود ہو گی' اس گھر میں مردوں کی طرف سے بھی شائستگی اور متانت کا مظاہرہ ہو گا۔ ہمارے ہاں! دیکھا گیا ہے کہ جس گھر میں عورت نہ ہو وہاں مرد عام طور پر بدزبانی زیادہ کرتے ہیں اور اپنے طور طریقوں اور

لباس میں بھی زیادہ احتیاط اور سلیقہ نہیں برتتے۔ لیکن جہاں پہ خواتین یا خاتون موجود ہو گی آپ دیکھیں گے کہ مرد اپنے طرز گفتار' طرز لباس اور عمل و رد عمل کے سلسلہ میں قدرتی طور پر احتیاط اور شائستگی سے کام لیں گے۔

اگر ان تمام "برکات" کو ذہن میں رکھا جائے اور اوپر بیان کردہ عظیم لوگوں کے بیانات کی حقیقت کو سمجھا جائے تو بے اختیار یہ کہنا پڑتا ہے کہ

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں

(ضرب کلیم)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ینگ رائٹرز ایسوسی ایشن لاہور کے زیر اہتمام
منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی میں
اول انعام حاصل کیا

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

دنیا بھر میں مسلمانوں کا لہو پانی کی طرح کیوں بہتا جا رہا ہے؟

قرآن مجید زندگی گزارنے کے لئے ہمیں ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ قرآن پچھلی قوموں کے حالات و واقعات اور عروج و زوال کا ذکر کرتے ہوئے وہ قوانین بھی دیتا ہے جن کے مطابق قوموں کے عروج و زوال اور موت و حیات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر ایک قوم خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے یعنی اپنے معاشرتی نظام کو مجموعی طور پر خدا کے متعین قوانین پر استوار کرتی ہے تو اس قوم کو دنیا و آخرت میں سربلندیاں' سرفرازیاں اور عظمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی قوم خدا کے مقرر کردہ قوانین سے انحراف کرتی ہے تو تباہی و بربادی آخر کار اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ بالفاظ دیگر اقوام کے عروج و زوال کا اصول یہ ہے کہ جب تک قوم کے مجموعی معاشرتی نظام میں اور افراد کے انفرادی اعمال میں اچھے کاموں کا پلڑا جھکا رہتا ہے قوم زندہ رہتی ہے اور وہ ترقی حاصل کرتی ہے۔ مگر جب غلط کاموں کا پلڑا جھک جاتا ہے تو اس قوم پر زوال و پستی کی راہیں کھل جاتی ہیں وہ قوم آہستہ آہستہ ہلاکت کی راہ اختیار کرتی ہے جس کا دنیا میں انجام رسوائی اور غلامی ہوتا ہے تو آخرت میں جہنم!

یہاں پر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ قوموں کے عروج و زوال کے یہ اٹل قوانین کسی خاص قوم یا زمانے کے لئے نہیں بلکہ بلا تخصیص زمانہ' ہر قوم کے لئے یکساں ہیں۔ تاریخ عالم میں ہمیں ایسی بے شمار قوموں کے احوال ملتے ہیں جو عظمتوں کی بلندیوں پر فائز ہوئیں مگر ان میں بھی جب تخریبی امور کا پلڑا نیچے جھکتا ہے تو ان کے مقدر میں ذلت لکھ دی جاتی ہے۔

آج یہ تلخ حقیقت ہم سب کے سامنے عیاں ہے کہ مسلمان قوم دنیا بھر میں ذلیل و رسوا ہے اور اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہی ہے۔ کشمیر ہو کہ بھارت'

فلسطین ہو کہ بوسنیا' یا پھر صومالیہ! الغرض ہر جگہ مسلمان پست و ذلیل نظر آ رہے ہیں' مغلوب و مجبور نظر آ رہے ہیں اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ آج ہمارے پیش نظر یہی سوال ہے کہ آخر دنیا بھر میں مسلمانوں کا لہو پانی کی طرح کیوں بہتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی پستی اور زوال کی آخر وجہ کیا ہے؟ شبنم کی اس آوارگی میں تمازت آفتاب کا جرم بھی کسی حد تک شامل ہو سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمان ہی ہیں جن کی بے عملی' اسلام سے دوری' اپنے رویوں میں منافقت' تفرقہ بازی اور دوسری غلط ترجیہات' ان کی پستی و زوال کا سبب بنی ہوئی ہیں۔

خون مسلمان کی ارزانی کی وجوہات

میرے خیال میں اس وقت مسلمانوں کے زوال کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

1- مرکز سے جدائی

ہم میں سے اکثر لوگوں نے ہاتھ سے آٹا وغیرہ پیسنے کی چکی دیکھی ہو گی۔ چکی کے دو حصوں میں' جن میں پیسنے والی چیز کو ڈالا جاتا ہے' درمیان میں لوہے کی ایک تقریباً" آدھ فٹ لمبی سلاخ مرکز یا محور کے طور پر عموداً" لگی ہوتی ہے۔ اگر اس محور سلاخ کو درمیان میں سے ہٹا دیا جائے تو چکی کا گھومنے والا حصہ کبھی ادھر کو حرکت کرے گا اور کبھی ادھر کو۔ اور یوں پیسنے کا عمل بھی صحیح طور سے انجام نہیں پا سکے گا——— بالکل یہی حال کسی قوم کا اس کے مرکز سے اس کے تعلق کا ہے۔ مسلمانوں کے لئے وہ سلاخ' وہ محور "خوف خدا" ہے۔ جب یہ سلاخ ہی درمیان میں نہ رہی تو مسلمان کبھی ادھر کو منتشر ہوئے اور کبھی ادھر کو۔ اور پھر یہ اپنے مقصد تخلیق سے غافل ہوئے اور تباہی کی راہوں پہ چل نکلے۔ انہوں نے بت شکنی چھوڑ کر بت گری اپنا لی۔ کعبتہ اللہ کو اپنا قبلہ بنانے کی بجائے دنیا کی مادی آسائشوں کو اپنا معبود بنا لیا اور اپنے مرکز سے دور ہوتے چلے گئے۔ حضرت اقبالؒ نے مرکز سے جدائی کو قوموں کے لئے موت قرار دیا ہے۔

؎ قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسلمان اپنے "نصاب عمل" کو بھول چکے ہیں۔ جونہی انہوں نے اپنا رشتہ قرآن مجید سے توڑا' اس منبع رشد و ہدایت سے منہ موڑا' یہ مائل بہ زوال ہوئے۔ ظاہر ہے جب سچائیوں کی بجائے مصلحتیں پیش نظر ہوں' اپنی دینی تعلیمات کو چھوڑ کر شعار اغیار اپنایا جائے' اتفاق و اتحاد کی جگہ فرقہ بندی مقدم ہو' ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہو اور ہر امتی تارک آئین رسول مختار ﷺ ہو تو پھر سوائے ذلت و رسوائی کے بھلا اور کیا ملے گا اور بقول حکیم الامت خون مسلماں کی ارزانی کا سبب یہ ہے کہ

؎ وعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی' شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں' روح بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالیؒ نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

(بانگ درا)

2- فرقہ بندی---- نااتفاقی

آج دنیائے اسلام کی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہر مسلم ملک' دوسرے مسلم ملک سے بیزار نظر آتا ہے۔ ہر مسلم ملک کا قبلہ دوسرے سے مختلف ہے۔

مسلم دنیا میں اس وقت' ہر طرف فرقہ بندی کا دور دورہ ہے مختلف جماعتوں' مختلف فرقوں' اور مکتبہ فکر رکھنے والے علماء کے آپس میں اختلافات ہیں جن کے باعث سیاسی میدان میں مسلمان بالکل غیر مؤثر ہو چکے ہیں ہر کوئی اپنے مسلک کی پبلسٹی میں مصروف ہے۔ دینی فرائض نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ دین سے شغف رکھنے والے زیادہ تر لوگ اسلام کی برکات کے مادی ثمرات سمیٹنے میں مگن ہیں اور یوں دنیا بھر میں مسلمان اخلاقی لحاظ سے بحیثیت قوم بہت پست سطح پر پہنچ چکے ہیں۔

ستم بالائے ستم دیکھئے! کہ خلیج کی جنگ میں بھائی بھائی کے خلاف صف آراء ہو گیا۔ غیروں نے اپنے مفادات کے حصول کے لئے بھائیوں کو بھائیوں سے لڑا دیا اور یہ غیروں کی سازشوں کو سمجھنے کی بجائے' ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پر تیار ہو گئے۔ شاعر اس دل خراش صورتحال پر پکار اٹھا'

ے دہائی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہائی
کہ دشمن ہو گیا بھائی کا بھائی
میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا کرنے لگے ہیں
کہ آپس میں ہی کٹ مرنے لگے ہیں

3- ترک عمل

خون مسلمان کی ارزانی کا ایک اور بڑا سبب یہ ہے کہ دنیا بھر میں مسلمان صرف نام کے مسلمان بن کر رہ چکے ہیں۔ اور عمل سے عاری ہیں۔ درویش لاہوری ؒ نے اس بات کا شکوہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

ے کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں! نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے
تمہیں کہہ دو' یہی آئین وفا داری ہے

دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ مسلمان اصل میں اپنے خدا سے کئے ہوئے وعدے کو بھول چکے ہیں۔ اور جب خدا سے کئے ہوئے وعدے کو ہی پس پشت ڈال دیا جائے تو پھر ذلت و رسوائی مقدر کیوں نہ بنے۔

ے اے لا الہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ' کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
اب کھو گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

(علامہ اقبال ؒ)

4- جہالت

مسلمانوں کی پستی و ذلت کی ایک اور بڑی وجہ ان کی جہالت ہے پوری دنیا میں مسلم ممالک خواندگی کی شرح میں سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ نہ دینی تعلیم ہے' نہ سیاسی بصیرت' نہ انداز اسلاف پر عمل ہے نہ جدید تقاضوں کا ساتھ دینے کی قوت۔ کہ آپس کے جھگڑوں اور فسادات سے فرصت ملے تو اس طرف دھیان ہو جناب اکبر الہ آبادی نے مسلمانوں کی اس حالت پر یوں طنز کی ہے کہ

؎ مسلماں تو وہ ہے جو ہے مسلماں علم باری میں
کروڑوں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

حالانکہ غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ علم کی عظمت جس قدر شدومد کے ساتھ اسلام میں بیان کی گئی ہے اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام میں علم کو مومن کی گم شدہ میراث قرار دیتے ہوئے تلقین فرمائی گئی ہے کہ علم جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرو۔ اور پھر یہ کہ اسے مسلمان مردو عورت کے لئے فرض کا درجہ دے دیا۔ لیکن پوری مسلم دنیا اس وقت تعلیمی دوڑ میں اپنے دشمنوں سے پیچھے ہے اور حالت یہ ہے کہ

؎ جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن' تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن' تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن' تم ہو

(جواب شکوہ)

5- فقدان قیادت

ان تمام وجوہات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی اصل اور بڑی وجہ مسلمانوں میں قیادت کا فقدان ہے۔ پورے عالم اسلام پر ایک نظر دوڑایئے آپ کو کہیں بھی کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آئے گی جسے بجا طور پر مسلمانوں کا قائدو راہنما قرار دیا جا سکے۔ اس کی وجہ بھی واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں

میں وہ عظمت کردار ہی باقی نہیں ہے جو مسلم قیادت کا خاصہ رہی ہے۔

؎ وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

(ضرب کلیم)

6- جذبہ جہاد کا فقدان

تاریخ عالم گواہ ہے کہ مسلمان قوم دنیا بھر میں اپنے جذبہ جہاد کے سبب نامور ہوئی۔ تین سو تیرہ کا ہزاروں سے ٹکرا جانا اور دشمن کی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دینا جذبہ جہاد کی واضح مثال ہے لیکن آج مسلمانوں میں اسی جذبے کا فقدان ان کے خون کی ارزانی کا سبب بنا ہوا ہے۔ اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ

؎ خواہش ہے میری طرح مرے اہل وطن کی
سوئے بھی رہیں' خواب کی تعبیر بھی مل جائے
اتنا ہو کہ بس اپنی دعاؤں کی بدولت
آزاد فلسطین ہو کشمیر بھی مل جائے

دنیا بھر میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح کیوں نہ بہے کہ ان کی غیرت اس حد تک گری کہ ان کا قبلہ اول دشمنوں کے قبضے میں ہے' کشمیر میں ہزاروں مسلم خواتین کی عصمتیں نیلام ہو رہی ہیں اور بوسنیا میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں مگر پوری مسلم دنیا اپنی رنگینیوں میں سرمست ہے۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج' دل پریشاں' سجدہ بے ذوق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

(بال جبریل)

7- دورخاپن ——— منافقت

سنتے ہیں کہ دو کشتیوں کا مسافر کبھی پار نہیں اترتا۔ مگر ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے دو رخاپن اختیار کیا ہوا ہے ہمارا کردار دوغلی پالیسیوں پر مبنی ہے۔ اپنے ہی ملک میں اس کی بالکل چھوٹی سی مثال صرف اس قدر دیکھ لیجیے کہ سگریٹ کے

اشتہار کے بعد اعلان کیا جاتا ہے کہ سگریٹ نوشی صحت کے لئے مضر ہے۔ ہماری دوغلی پالیسیاں یہیں تک محدود نہیں ہیں بلکہ پورا عالم اسلام ــــــ مسلمان کہلانے کے ساتھ ساتھ مغرب پرستی پر مجبور ہے بقول اکبر الہ آبادی

شب گناہ' نماز سحر یہ خوب کی
بتوں سے میل خدا پر نظر یہ خوب کہی

الغرض یہ ہیں وہ عوامل جو خون مسلماں کی ارزانی کا سبب بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ حالت کو دیکھ کر پروفیسر محمد منور یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

ہوئے ہیں خاک کے خاشاک کے ذرّے گراں قیمت
ہے اک خون مسلماں جس کی ارزانی نہیں جاتی

اصل میں ہمارے پاس تین راستے تھے۔ ان تینوں میں سے ہمیں کسی ایک راستے کا انتخاب کرنا تھا۔

اول : کفر کا راستہ۔ جس پر چل کر دنیا تو ملتی ہے آخرت نہیں ملتی۔

دوم : اسلام کا راستہ۔ جس میں دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت بھی لیکن بقول اقبال

ع مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

سوم : منافقت اور دو رخاپن ــــــ یعنی اسلام کا نام لیتے رہو اور کفر کی خدمت کرتے رہو۔ اس راہ میں نہ دنیا ملتی ہے اور نہ آخرت۔ مگر افسوس ہے کہ ہم' پورا عالم اسلام دراصل اس وقت اسی راہ پہ چل رہے ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو میری نظر میں یہ ہے خون مسلماں کی ارزانی کا سب سے بڑا اور حقیقی سبب کہ

ہم اس صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش پا بھولے ہوئے ہیں
خداوندا! یہ کیا بھولے ہوئے ہیں
ہماری آنکھ شرمندہ ہے اس صلی اللہ علیہ وسلم سے
کہ آئین وفا بھولے ہوئے ہیں

(عطاء الحق قاسمی)

لیکن ہاں! ان سب تلخ حقیقتوں کے باوجود' ایک بات طے ہے کہ آج بھی اگر مسلمان اسلام کی طرف رجوع کریں' اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے قرآن حکیم سے جوڑ لیں'

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور یک جان ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ امت' عظمت کیا انہی بلندیوں پر فائز نہ ہو سکے جو اس کے تابناک ماضی کا درخشندہ باب ہے۔ جناب عطاء الحق قاسمی کے مندرجہ بالا اشعار کا تسلسل اس طرح سے آگے بڑھتا ہے۔

چلو پھر لوٹ جائیں اس طرف کو جدھر کا راستہ بھولے ہوئے ہیں
سر ساحل ضرور اتریں گے اک دن پرندے راستہ بھولے ہوتے ہیں
(ملاقاتیں ادھوری ہیں)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ادارہ قومی تشخص پاکستان کے تحت منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی میں اول انعام حاصل کیا

کیا عالمی امن کا حصول ممکن ہے

خوراک' لباس' مکان انسان کی بنیادی ضروریات ہیں ان کے بغیر زندگی کا تصور بے معنی ہے لیکن ان ضروریات کے علاوہ بھی کئی چیزیں ایسی ہیں جن کے بغیر زندگی کو زندگی نہیں کہا جا سکتا۔ ان تمام مادی آسائشوں کی موجودگی میں بھی بعض اوقات انسان موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ذہنی سکون اور دلی اطمینان میسر نہ ہو تو مادی اشیاء کا مول ایک کوڑی بھی نہیں رہتا۔ لیکن یہ سکون اور امن انفرادی ہے جس کے معانی اجتماعی یا عالمی امن سے یکسر مختلف ہیں۔ عالمی امن دنیا میں پائی جانے والی قوموں کے درمیان جنگ کی صورتحال سے محفوظ رہنے کا نام ہے۔

دنیا بھر میں عالمی امن کی کوششیں ازل سے ہوتی آئی ہیں اور جوں جوں جدید اسلحہ اور ایٹمی توانائی کے استعمال سے جنگ کے خدشات بڑھ رہے ہیں امن کی کوششیں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔ آج کے جدید دور میں جبکہ ہر ملک اپنی دفاعی قوت کو بڑھا رہا ہے' خطرناک اسلحہ اور ایٹمی ہتھیاروں سے جہاں دنیا کی سلامتی کو ہر آن خطرہ لاحق ہے وہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عالمی امن کا حصول ممکن ہے؟ مگر اس سوال کا موثر جواب دینے سے پہلے یہ امر واضح کرنا نہایت ضروری ہے کہ دنیا بھر میں اس وقت بدامنی کی کیا وجوہات ہیں یا وہ کون سے ایسے عوامل ہیں جو امن کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک عوامل کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

1- ہوس اقتدار

ازل سے حصول اقتدار انسانوں میں سے ایک مخصوص طبقے کی شدید ہوس رہا ہے یہ ہوس فرعون کی شکل میں ہو یا نمرود کی شکل میں' یزید کی صورت میں ہو یا چنگیز خاں کی صورت میں ـــــ جس صورت میں بھی ہو ہوس اقتدار نے ہمیشہ دنیا کے امن و سلامتی کے دامن کو تار تار کیا ہے۔ ہوس اقتدار کی یہ جنگ اور کشمکش صرف ماضی کا ہی حصہ نہیں ہے بلکہ آج بھی جاری ہے بلکہ پہلے سے زیادہ شدومد اور عیاری و مکاری سے جاری ہے۔ راتوں رات ساری دنیا پر چھا جانے اور تسلط قائم کر لینے کی خواہش' عالمی امن کی راہ میں بنیادی رکاوٹ ہے۔ یہی وہ ہوس ہے جس کی وجہ سے

امریکہ (U.S.A) کا ہے اور باقی سب کے لئے NO ہے۔"

☆ چنانچہ کسی عالمی انجمن کی غیر موجودگی' امن کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ ہے۔

3۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا غیر موزوں استعمال

سائنس کی مثال ایک تلوار کی سی ہے۔ ایسی تلوار جس سے انسان کی حفاظت کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور کسی کا سر تن سے جدا کرنے کا کام بھی۔ ساری دنیا کو اس وقت سب سے زیادہ خوف ایٹمی اور نیوکلیائی ہتھیاروں اور نیوکلیئر انرجی سے ہے۔ یہ سائنس کا نہایت غیر انسانی استعمال ہے جو عالمی امن کی موت بن کر سامنے آ رہا ہے۔ مستقبل قریب میں اس کے خطرات اور بھی شدت سے محسوس ہو رہے ہیں۔ ہر ملک اپنے دفاع کو مضبوط بنانے کے لئے ان ہتھیاروں کا سہارا تو لینا چاہتا ہے مگر اپنے خلاف استعمال ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔

☆ چنانچہ یہاں پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ سائنس کا غیر موزوں استعمال اور نیوکلیئر انرجی سے دنیا میں امن کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

4۔ موجودہ نظام عالم

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اقتدار کی ہوس اس وقت دنیا کے تمام ممالک کے ذہن و قلب پر چھائی ہوئی ہے۔ ہر طاقتور ملک' کمزور ملک کو ہڑپ کرنے کے درپے ہے۔ دنیا اس وقت ایک عجیب نظام میں گرفتار ہے۔ دوسری طرف امریکہ نے "نیو ورلڈ آرڈر" کے نام سے ایک اور "شوشہ" چھوڑا ہے۔ جو کہ ہوس اقتدار اور آمریت کی واضح مثال ہے۔

اس نیو ورلڈ آرڈر کا واحد مقصد معاشی' اقتصادی' انتظامی اور دفاعی طور پر دنیا کو اپنی گرفت میں لینا ہے۔ خود اسی نیو ورلڈ آرڈر میں جمہوریت کا نعرہ لگانے والے آمریت کی بدترین مثالیں قائم کر رہے ہیں۔ چنانچہ صورتحال ملاحظہ ہو۔

جمہوریت کی بات کرنے والا امریکہ' عرب علاقوں پر اسرائیل کے قبضہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے اسے دن رات مالی اور دفاعی طور پر طاقتور بنا رہا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت پاکستان کے لئے امداد اس بہانے کے ساتھ روکی جا رہی ہے کہ اس

اس زمین کی مٹی کئی بار انسانوں کے خون سے تر ہوئی ہے اور زمین پر موجود دریاؤں اور ندیوں کا پانی انسانوں کے لہو سے سرخ ہوا ہے۔

ماضی میں روس کا افغانستان پر قبضہ' امریکہ کویت نام پر تسلط' بھارت کا سالہاسال سے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ' اسرائیل کا عرب کے علاقوں پر قبضہ اور ایسی ہی بے شمار مثالیں دنیا میں ایسی ہیں جن میں ہوس اقتدار کی وجہ سے عالمی امن کی بحالی ایک عالمگیر مسئلہ بن چکا ہے۔

☆ چنانچہ مندرجہ بالا بحث اور مثالوں سے واضح یہ ہوا کہ ہوس اقتدار اور پوری دنیا پر چھا جانے کی خواہش عالمی امن کی راہ میں ایک اہم اور بنیادی رکاوٹ ہے۔

2- کسی بھی عالمی انجمن کا غیر مؤثر ہونا

مؤثر فیصلہ کے لئے ثالثی اور ثالث کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اقوام عالم میں بحالی امن کے لئے کسی ایسی عالمی انجمن کی اشد ضرورت ہے جو مؤثر طور پر ثالثی کا کام سرانجام دے سکے۔

ہو سکتا ہے یہاں پر کچھ لوگ اقوام متحدہ (U.N.O) کا نام لیں۔ لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اقوام متحدہ صرف کاغذات ہی کی حد تک سمٹ کر رہ گئی ہے۔ دنیا میں اس کا وجود کہیں بھی نظر نہیں آتا اور اگر کہیں ہے تو نہایت غیر مؤثر۔ اس سلسلے میں صرف دو گزارشات پیش خدمت ہیں۔

اول : اگر ثالث اپنا حتمی فیصلہ سنا دے اور پھر اسے لاگو نہ کروا سکے تو پھر اس فیصلے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس صورتحال میں فیصلہ ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ یہی حال اقوام متحدہ کا ہے۔ مثال کے طور پر کشمیر کے سلسلہ میں اس کی واضح قرار دادیں موجود ہیں مگر یہ انہیں لاگو کروانے میں ابھی تک ناکام ہے۔

دوم : درست اور مؤثر فیصلہ کے لئے جمہوریت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ جبکہ اقوام متحدہ میں "ویٹو کا حق" بذات خود جمہوریت کے نام پر ایک طمانچہ ہے۔ یہ کہاں کی جمہوریت ہے کہ پوری دنیا کی تقدیر کا فیصلہ کسی ایک ملک کی ہاں یا ناں سے قرار پائے۔ جناب امجد اپنے خوبصورت سفرنامے "شہر در شہر" میں لکھتے ہیں کہ (U.N.O) U

کے پاس ایٹمی طاقت ہے۔ جبکہ بھارت کو وہی امداد بالکل غیر مشروط طور پر دی جا رہی ہے۔ اس کے لئے شرط نہیں ہے کہ وہ ایٹمی طاقت حاصل نہ کرے بلکہ اگر وہ چاہے تو وہ ایٹمی طاقت حاصل کر سکتا ہے۔

☆ اس سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ عالمی نظام' امن کے لئے ایک رکاوٹ ہے۔

امن عالم عبارت ہے تخریب سے　　اب درندوں کا ناتا ہے تہذیب سے
جو تباہی بڑی سے بڑی لا سکے　　اس کا رتبہ بڑا ہے بڑا نام ہے

خلیج کا بحران اور عالمی امن

اب عراق کی وجہ سے پیدا ہونے والی خلیجی بحران کو ہی لے لیجئے۔ اس جنگ میں سامراجی طاقتوں نے کس قدر شدومد سے حصہ لیا اعلان کیا جا رہا ہے کہ قانون کی حکمرانی کرنے کے لئے جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ ہم بجا طور پر سوال کر سکتے ہیں کہ کیا امن قائم رکھنے کے لئے گفت و شنید کے تمام ذرائع استعمال کر لئے گئے تھے؟ ہم کسی طرح بھی صدام حسین کے اگست 1990ء کے اقدام کو درست قرار نہیں دے رہے لیکن غور کے قابل تو یہ امر ہے کہ چند سال پہلے امریکہ نے ایک نہایت ہی کمزور اور چھوٹی سی ریاست گرنیڈا پر حملہ کر کے تلوار کی نوک پر اس کی جائز قانونی حکومت کا تختہ کیوں الٹ دیا تھا۔ اس وقت اقوام متحدہ نے اس چھوٹی سی ریاست کی چیخ و پکار کیوں نہ سنی؟

دوسری طرف یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے امریکہ نے پانامہ کی چھوٹی سی ریاست پر کیوں حملہ کیا اور پانامہ کے صدر کو پکڑ کر امریکی جیل میں کس بین الاقوامی قانون کے تحت بند کر دیا؟ کیا یہی وہ اقدام ہیں جو کہ بحالی امن کے لئے اٹھائے جا رہے ہیں۔ شاعر مشرقؒ اس ظلم کے بارے میں یوں سوال کرتے ہیں۔

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

عالمی امن کیسے قائم ہو سکتا ہے

ان تمام حالات و واقعات کو نظر میں رکھتے ہوئے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پھر عالمی امن کا قیام کیسے ممکن ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل نکات پیش خدمت ہیں۔

1- مکمل جمہوریت

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حقیقی امن مکمل جمہوریت کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ ہم دنیا کے لئے امن کی بات کرتے ہیں تو پھر جمہوریت کی ان روشن مثالوں پر عمل کرنا ہو گا جو ہمارے مشعل راہ ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ایک فاصلہ غلام پیدل سفر کر رہا ہے تو آقا بھی اتنا ہی فاصلہ پیدل سفر کرے۔ اگر تمام ساتھی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوں تو آقا بھی جنگل سے خشک لکڑیاں اکٹھی کر کے لانے کا کام اپنے ذمہ لے۔ اگر سبھی خندق کھود رہے ہیں تو آقا بھی کدال لئے اسی کام میں مصروف ہو۔

پھر جب انصاف کی باری آئے تو چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹتے وقت صاف طور پر کہہ دیا جائے کہ یہاں اگر بنت رسول ﷺ بھی ہوتی تو اس کے بھی اسی طرح ہاتھ کاٹ دیئے جاتے۔

قیام امن کے لئے ضروری ہے کہ تمام ممالک کو مساوی طور پر حق آزادی دیا جائے۔ تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں کہ مصیبت میں اگر ایک ملک دوسرے کو پکارے تو وہ اسے ہڑپ کرنے کی بجائے اس کی سالمیت کے لئے ہر ممکن تعاون کرے۔

2- کسی موثر عالمی انجمن کا قیام

حصول امن کے لئے ضروری ہے کہ یا تو کوئی نئی عالمی انجمن قائم کی جائے یا اقوام متحدہ کو ہی موثر اور فعال بنایا جائے۔ اس طرح کہ اس میں تمام ممالک کی نمائندگی یکساں طور پر ہو۔ اقوام متحدہ اپنے فیصلوں پر عمل کروا سکے۔ فیصلے کرتے وقت

تعصبات کی بجائے مساوات کا خیال رکھا جائے۔

3- سائنس کو انسانی فلاح کے لئے استعمال کیا جائے

بحالی امن کے لئے اسلحہ اور جدید ہتھیاروں کی بجائے' سائنس سے مفید اشیاء بنائی جانی چاہئیں۔ سائنس جس سے ہم انسان کی تباہی کا کام لے رہے ہیں اسی سے غربت اور افلاس کا خاتمہ کر کے دنیا میں امن کا دور دورہ کیا جا سکتا ہے۔ کسی شخص کو مرنے سے بھی بچایا جا سکتا ہے۔

4- ممالک کے درمیان تضاد و تفریق کو ختم کیا جائے

اگر مختلف ممالک کے درمیان پیدا کردہ تضادات کو ختم کر دیا جائے تو یہ امن کی بحالی کے لئے بہت ہی خوشگوار قدم ہو گا۔ "جیو اور جینے دو" کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کی آزادی اور خود مختاری کا احترام کیا جائے۔ پہلی' دوسری اور تیسری دنیا کے تضادات کو ختم کر کے تمام انسانوں کو انسانیت کی بنا پر یکساں معیار زندگی عطا کیا جائے۔ حالانکہ موجودہ صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے۔

آدمی اور آدمی میں یہ تفاوت یہ تضاد
شرم سے گنڈمڈ نہ ہو جائیں کہیں طبقات ارض
پہلی دنیا کے مکیں آکاش کے شمس و قمر
تیسری دنیا کے باشندے فقط حشرات ارض

(انور شعور)

اس دنیا میں بسنے والے انسانوں کو ہی اگر تضاد اور تفریق کی نگاہ سے دیکھا جائے گا تو پھر امن کی توقع رکھنا بے سود ہے۔ البتہ برابری اور مساوات کا جذبہ پیدا کر کے ہمیں قیام امن کے لئے کوششیں تیز تر کر دینی چاہئیں۔ اگرچہ سلامتی' امن اور محبت کی منزل دور ہے مگر دولت و زر کی ہوس کی بجائے انسانی جذبوں کی قدر کر کے ہم صلح و سلامتی' محبت و اخوت اور امن کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ظلم ہی ظلم دنیا میں پھیلتا جا رہا ہے تو یقیناً" عدل و انصاف بھی یہیں کہیں چھپا ہے۔ جسے اپنی محبتوں اور محنت سے دنیا پر ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرعون کی فرعونیت' نمرود کی

خدائی، یزید کا ظلم اور اسی قبیلے کے اور لوگوں کے مظالم ہمیشہ نہیں رہتے۔ خزاں کے بعد بہار، رات کے بعد دن اور تاریکی کے بعد روشنی لازمی ہے اسی طرح ظلم و جبراور بدامنی کے بعد امن ناگزیر ہے۔

ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ و بازار میں
عدل کو بھی صاحب اولاد ہونا چاہیے

(عطاء الحق قاسمی)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی میں اول انعام یافتہ

کتابیات (حصہ دوم)

کتاب	مصنف	ناشر
○ احیاء العلوم	امام غزالیؒ	مکتبہ رحمانیہ لاہور
○ حیات جاوید	مولانا الطاف حسین حالی	ہمیرہ انٹرنیشنل پبلشرز لاہور
○ رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب	سید اسعد گیلانی	ادارہ ترجمان القرآن لاہور
○ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل	ڈاکٹر برہان الدین	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
○ من کی دنیا	ڈاکٹر غلام جیلانی برقؒ	غلام علی اینڈ سنز لاہور
○ قطرہ قطرہ قلزم	واصف علی واصفؒ	کاشف پبلیکیشنز لاہور
○ دل دریا سمندر	واصف علی واصفؒ	کاشف پبلیکیشنز لاہور
○ نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور
○ منہج انقلاب نبویؐ	ڈاکٹر اسرار احمد	مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
○ استحکام پاکستان	ڈاکٹر اسرار احمد	مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
○ پاکستان کا علمی و فکری بحران	ڈاکٹر اعجاز فاروقی	سنگ میل لاہور
○ قائداعظمؒ کا اسلامی کردار	پروفیسر کرم حیدری	مطبوعات حرمت راولپنڈی
○ خطبات قائداعظمؒ	(مرتب) رئیس احمد جعفری	مقبول اکیڈمی لاہور

○ ہمارے تعلیمی مسائل	مقصود الحسن بخاری	فرنٹیئر پوسٹ پبلیکیشنز لاہور
○ البدر	سلیم منصور خالد	ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور
○ اسلام کیا ہے؟	غلام احمد پرویز	ادارہ طلوع اسلام لاہور

○ <نقوش> کے رسولؐ نمبر اور اس کے علاوہ دوسرے بہت سے مجلّہ جات

فن مضمون نگاری پر ظفر اقبال محسن کی اس کتاب کے مسودے کو دیکھتے ہوئے پہلی بار احساس ہوا کہ
اس موضوع پر اردو کی کتابوں میں اور چند تعارفی مضمون کے ہمارے یہاں کوئی مواد کسی سے دستیاب ہی
نہیں ہے۔ سو اس کتاب کا سب سے پہلا اختصاص تو یہ ہے کہ اسے اس طرح سے بنیادی رنگ بلکہ نمونے کی
حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ ظفر اقبال محسن نے اس کتاب میں اپنے جو مضامین بطور نمونہ درج کیے ہیں وہ اس
اعتبار سے بہت عمدہ اور وقیع ہیں کہ ان میں سے بیشتر کو مختلف مقابلہ ہائے مضمون نویسی میں انعامات سے نوازا
جا چکا ہے۔

ہم ان کے ذوق شوق کی بھی مدح کرتے ہیں

اگرچہ یہ کتاب ایک "رہنما کتاب" کے اصولوں کو سامنے رکھ کر لکھی اور مرتب کی گئی ہے مگر
مصنف کی تحریر کی روانی اور اپنے موضوع پر گرفت اس کی گواہ ہے کہ یہ تخلیقی مزاج اور انداز کو بھی جلا
دیتی ہے۔ مضامین کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ظفر اقبال محسن نہ صرف وسیع المطالعہ شخص ہیں
بلکہ کام کی باتوں کو پرکھنے اور چننے کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب جس مقصد کے لئے
لکھی گئی ہے نہ صرف اس پر پورا اترے گی بلکہ مصنف کے لئے بھی ناموری کا باعث بنے گی۔

امجد اسلام امجد